یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

قرآنی آیات و رکعات میں اعدادی اختلاف

ایک تحقیقی مضمون مدیر اعلیٰ کے قلم سے

295-C میں ترمیم کیوں؟

کچھ علم حدیث کے بارے میں

شائقین علم حدیث کے لیے معلوماتی تحریر

تہذیب جدید کے گمراہ کن مغالطے

قبر سے حصول فیض

اسلام اور رسک مینجمنٹ

غوث پاک کی گیارہویں

تذکرہ مولانا پیر محمد اشرف نقشبندی علیہ الرحمہ

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ پیر غلام رسول قاسمی

کے لاجواب دلائل اور محققین کو دعوت فکر

منحۃ الحی فی کشف ظلمات زبیر علی زئی

حافظ زبیر علی زئی کے اعتراضات کا خوبصورت رد

فیصل خان کے قلم سے

قادیانیت انگریزی استعمار کی ضرورت اور پیداوار

التحقیقات الاسلامیہ فاؤنڈیشن

کتابِ سلسلہ

افکارِ حق کا ترجمان

واہ کینٹ

مجلہ البرہان الحق

شمارہ 2

مدیر

سید بادشاہ تبسم بخاری ایم۔اے

0300-5097394

Email:alburhanwah@gmail.com

Email:zaf.wah786@gmail.com

فہرست

اداریہ

صدائے دل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

''البرُہان سے البرُہان الحق تک''

معزز قارئین! جب ہم نے ایک مجلّہ کے اجرا کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے لیے مختلف اہل علم و دانش سے مشاورت اور غور و غوض کے بعد اسکا نام ''البرُہان'' رکھنے پر اتفاق کیا۔ جو کہ قرآن مجید کی آیت ''قد جاء کم برھان من ربکم'' سے ماخوذ ہے۔ دیگر شہروں کے ساتھ ساتھ لاہور کے دوستوں سے بھی اس حوالے سے ہم رابطے میں تھے۔ ہمیں کسی نے بھی یہ نہیں بتایا کہ اس نام سے پہلے ہی لاہور سے ایک مجلّہ ایک دوسرے مکتبہ فکر کے لوگوں کی طرف سے شائع ہو رہا ہے اور نہ ہی ہمارے علم میں یہ بات تھی۔ جب ہمارا مجلّہ ''البرُہان'' کا پہلا شمارہ چھپ کر تقسیم ہو رہا تھا کہ جنوری کے آخر میں محترم جناب ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب مؤسس مجلّہ ماہنامہ ''فقہ اسلامی'' کراچی سے واہ کینٹ تشریف لائے تو میں نے انہیں مجلّہ البرُہان پیش کیا۔ دیکھنے پر جہاں انہوں نے خوشی کا اظہار کیا، پسند بھی فرمایا اور اس حوالے سے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا وہاں ہی یہ بھی بتایا کہ اس نام سے پہلے ہی لاہور سے ایک مجلّہ چھپ رہا ہے۔ لہذا آپ یا تو نام تبدیل کریں یا اس کے ساتھ کسی لفظ کا اضافہ کریں تاکہ فرق واضح ہو جائے۔ انہوں نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے کراچی واپس جا کر اس مجلّے کی ایک کاپی بھی روانہ فرما دی۔ ادھر لاہور سے محترم جناب محمد سعید مجاہد آبادی نے بھی مذکورہ مجلّہ کا ایک شمارہ بھیج دیا۔ چونکہ لاہور سے شائع ہونے والا مجلّہ ''البرہان'' رجسٹرڈ ہے۔ اس لیے ہمارے لیے ضروری ہو گیا کہ ہم اپنے مجلّہ کا نام اس سے منفرد کرنے کے لیے اس کے ساتھ کسی لفظ کا اضافہ کریں۔ چنانچہ باہمی مشاورت سے

ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم آئندہ ''البرُھان الحق'' کے نام سے اپنا کام جاری رکھیں گے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

راقم مجلہ ''البرُھان'' کا پہلا شمارہ حضرت علامہ پیر عبدالقادر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جامعہ رضویہ انوار العلوم واہ کینٹ حاضر ہوا تو اس وقت قبلہ پیر صاحب کے پاس ایک بزرگ چند احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ رخصت ہو گئے تو پیر عبدالقادر صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ صاحب سرحد کی فلاں گدی کے سجادہ نشین ہیں۔ بے چارے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا علاقہ چھوڑ آئے ہیں۔ اس پر مجھے بھی بڑا افسوس ہوا اور اپنے دکھ کا اظہار بھی کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اس کے ذمہ دار بھی تو یہی حضرات ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے زیر اثر علاقوں میں کما حقہ دینی کام نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تقریباً سارا سرحد بدمذہبوں کے شکنجے میں آ چکا ہے۔ ان بدمذہبوں نے ان حضرات کو اپنا علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا اصول یہی ہے کہ

جس کی لاٹھی اُس کی بھینس

حضرت اقبال بھی یہی فرما گئے ہیں کہ ؎

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اب بھی اگر ہم بیدار نہ ہوئے اور خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے تو اس ''کینسر'' سے ہم بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ خدارا ہوش کیجئے۔ خود بیدار ہو کر عوام اہل سنت کو بھی بیدار کیجئے۔ حالات کا تجزیہ کیجئے مضمرات و مفادات پر نگاہ رکھئے۔ اپنی قوت کو مجتمع کیجئے اور آگے بڑھیے ورنہ ؎

تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

اللہ کا شکر ہے کہ حکومت پاکستان نے جہاد کے نام پر مسلح تنظیموں کو غیر مسلح کرنا شروع کر دیا

ہے بصورت دیگر یہ اہل سنت پر یلغار کے لیے پوری منصوبہ بندی کر چکی تھیں۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

جب مجلہ ''البرھان'' کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کو اس قدر پزیرائی ملے گی۔ایک ہفتے کے اندر اندر تمام کاپیاں تقسیم ہوگئیں اور ہر طرف سے مزید کاپیاں بھیجنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔کئی اہم علمی دوست اس سے محروم رہ گئے اور ہم پوری کوشش کے باوجود بھی ان کو ایک کاپی پیش نہ کر سکے۔لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر کوئی کام پوری لگن اور محنت سے کیا جائے تو انسان کو مایوسی نہیں ہوتی بلکہ کامیابی قدم چومتی ہے۔اور یہ سچ ہے کہ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اس دفعہ ہم تعداد اشاعت میں اضافہ کر رہے ہیں اُمید ہے کہ حسب سابق علمائے کرام ،مشائخ عظام اور معزز قارئین اس کو پزیرائی بخشیں گے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین!۔

علامہ مفتی محمد عابد جلالی پر قاتلانہ حملہ

فروری 2011ء کے وسط میں گوجرانوالہ میں بعض شرپسند عناصر نے ممتاز عالم دین حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عابد جلالی پر قاتلانہ حملہ کیا۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس حملے میں آپ بال بال بچ گئے۔ہم اس بزدلانہ حرکت کی بھرپور مذمت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے ناپاک عزائم رکھنے والے فسادیوں سے تمام علماء اہل سنت کو محفوظ و مامون فرمائے۔

نوٹ:صفحات کے بالائی حصہ پر نمبر شمار کا تعلق موجودہ شمارہ سے ہے جبکہ زیریں حصہ پر موجود نمبر شمار کا تعلق جلد سے ہے۔

افضل شاہد اعوان (مدیر اعلیٰ اعزازی)

افضل شاہد اعوان (مدیر اعلیٰ الحرازی)☆

قرآنی آیات ورکوعات میں اعدادی اختلاف

یہ مضمون پہلی بار روزنامہ پاکستان اسلام آباد میں ۲۱ فروری ۱۹۹۵ء کو شائع ہوا تھا۔ بعد میں ماہنامہ ''کنز الایمان'' لاہور بابت جولائی ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ماہنامہ ''مشعل ہدایت'' لاہور میں جنوری تا جون ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں شامل اشاعت ہوا۔ اب مزید اضافوں کے ساتھ قدرے تفصیل سے پھر ہدیہ قارئین ہے۔ (مضمون نگار)

بعض اوقات کچھ غلط باتیں اتنی مشہور ہو جاتی ہیں کہ عوام تو عوام خواص بھی انہیں صحیح سمجھنے لگتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورتحال قرآنی آیات ورکوعات کی تعداد کے سلسلے میں سامنے آئی ہے۔ جب کسی سے پوچھا جاتا ہے کہ قرآنی آیات اور رکوعات کی تعداد کتنی ہے تو وہ فوراً کہتا ہے کہ آیات کی تعداد 6666 ہیں اور رکوع 540 ہیں۔ اسی طرح قرآن سے متعلق کتب میں عموماً یہی تعداد لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک ہر کلاس کے نصاب میں بھی یہی تعداد لکھی ہوئی ہے حتیٰ کہ ریڈیو، ٹی وی کے معلوماتی اور مقابلے کے پروگراموں میں بھی یہی تعداد بتائی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ کئی جید علمائے کرام اور صاحبانِ علم و دانش نے بھی اپنی کتب میں یہی تعداد درج کی ہے۔

چنانچہ مولانا نجم الدین اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ ! ''کوفیوں کے نزدیک جن کی قرأت اس دیارِ ہند میں مروج ہے مشہور قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تعداد 6666 ہے''۔ [1]

پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری نے لکھا ہے کہ ! ''قرآن مجید میں کل 6666 آیتیں ہیں''۔ [2]

☆) 0300-9129852

۱) آداب حاملین قرآن حاشیہ ص ۱۹ (۲) تاریخ القرآن ص ۱۵۴

سید قاسم محمود نے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں آیات کی تعداد 6666 ہی لکھی ہے۔ اسی طرح سیارہ ڈائجسٹ لاہور اور ماہنامہ ''ندائے اہل سنت'' لاہور کے قرآن نمبروں میں بھی یہی تعداد درج کی گئی ہے۔ غرضیکہ ہم آج تک یہی سنتے اور پڑھتے آرہے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اس ضمن میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو وزارت مذہبی امور نے اخبارات کو ایک پریس ریلیز جاری کیا تھا جس میں جملہ ناشرین قرآن کریم صوبائی محکمہ ہائے اوقاف اور تعلیمی و تدریسی اداروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ حکومت پاکستان کے جاری کردہ نسخۂ قرآن مجید مطبوعہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے مطابق آیات کی تعداد 6236 ہے لہذا اسے ہی صحیح تصور کریں اور سرکاری وغیر سرکاری دستاویز میں اسی تعداد کو بطور حوالہ درج کریں۔ میں یہ پڑھ کر ششدر رہ گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ 430 آیات کا فرق ہو جو کہ معمولی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ صورتحال کئی حضرات کے سامنے رکھی لیکن کوئی بھی ماننے کیلئے تیار نہ تھا اور حکومت کے اس اعلان کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ آخر میں نے سوچا کہ کیوں نہ خود آیات شمار کر کے دیکھ لوں تا کہ غلط فہمی دور ہو جائے۔ چنانچہ میں نے جب آیات شمار کیں تو مجموعہ واقعی 6236 آیا۔ اب سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہ تھا لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ برس ہا برس سے میری طرح لاتعداد لوگ غلط اعداد و شمار کو دل و دماغ میں بٹھائے ہوئے تھے لیکن کسی نے بھی یہ زحمت گوارا نہ کی کہ خود بھی تحقیق کرلے۔ اگر ہر سورت سے پہلے لکھی گئی بسم اللہ کو بھی ایک آیت مان کر 113 مزید آیات کو بھی شامل کیا جائے تو پھر بھی آیات کی تعداد 6666 نہیں بنتی۔

پروفیسر محمد اکرم مدنی کے مطابق سعودی عرب کی وزارت حج واوقاف کی طرف سے شائع کردہ قرآن مجید جس کو ''مصحف المدینۃ النبویۃ'' کا نام دیا گیا ہے کے آخر میں ایک سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے جس پر سعودی عرب کے پندرہ علماء و شیوخ پر مشتمل پروف ریڈنگ کمیٹی کے دستخط موجود ہیں۔ اس سرٹیفکیٹ کے ایک عربی پیرا کا ترجمہ پروفیسر صاحب نے

اس طرح کیا ہے!

''اس مصحف شریف میں تعداد آیت کا طریقہ کوفیوں والا ہے جو عبد اللہ بن حبیب سلمی نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ امام شاطبی کی کتاب ''ناظمۃ الزہر'' اور دیگر کتب میں ہے جو کہ علم الفواصل (وقف شمار آیات) کے متعلق لکھی گئی ہیں اور ان کے طریقے کے مطابق آیات کی گنتی 6236 ہے''۔ [1]

مصر کے مطبوعہ ایک قرآن مجید کے آخر میں دیئے گئے ضمیمے کا ایک عربی پیرا اور اس کا ترجمہ بھی اس حوالے سے بڑا اہم ہے:

''واتبعت فی عد آیاته طریقة الکوفین عن ابی عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب السلمی عن علی بن ابی طالب حسب ما ورد فی کتاب "ناظمة الزهر للام الشاطبی و شرحها لابی عبد رضوان المخللاتی و کتاب ابی القاسم عمربن محمد ابن عبد الکافی و کتاب تحقیق البیان لاستاذ الشیخ محمد المتولی شیخ القراء بالدیار المصریة سابقا و ایُ القرء ان علی طریقتھم ۶۲۳۶''۔

ترجمہ: (اس نسخہ قرآن میں) آیات کی تعداد کے ضمن میں اہل کوفہ کا وہ طریقہ اپنایا گیا جو ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب السلمی سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جیسا کہ امام شاطبی کی کتاب ''ناظمۃ الزہر'' اور اس کی شرح جو ابو عبد رضوان مخللاتی کی ہے۔ نیز ابو القاسم عمر بن محمد ابن عبد الکافی کی کتاب اور استاذ شیخ محمد المتولی جو مصر بھر میں سابقہ شیخ القراء ہیں ان کی کتاب ''تحقیق البیان'' میں مذکور ہے۔ ان کے طریقہ کے مطابق قرآن مجید کی آیات 6236 ہیں''۔ [2]

---

۱) ماہنامہ منہاج القرآن لاہور نومبر ۱۹۹۶ء بعنوان قرآنی آیات و رکوعات کی صحیح تعداد

۲) ضمیمہ قرآن مجید مطبوعہ مصر الحاج شوقی عطا مصطفٰے القاہرہ غرۃ شعبان 1400ھ 1980ء

1974ء میں شائع ہونے والے انجمن حمایت اسلام لاہور کے قرآن پاک کے ضمیے میں ہے!

''والہ شہا در ہمہ قرآن بر تعداد کوفیاں کہ قرأت ایشاں دریں جا متلواست شش ہزار دو وصدوسی وشش اند''۔

ترجمہ: اور ان تمام آیات قرآنی کی تعداد کوفیوں کی قرأت کے مطابق جو یہاں مروج ہے 6236 ہے۔

شروع میں تو ان اعداد وشمار کو اکثر اہل علم نے زیادہ اہمیت نہیں دی البتہ بعض حضرات نے اس طرف توجہ دی ہے چنانچہ پہلی دفعہ میرا یہ مضمون جب مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۹۵ء کو روزنامہ پاکستان میں شائع ہوا تو اس کے بعد نومبر ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ ''منہاج القرآن'' لاہور میں پروفیسر محمد اکرم مدنی کا ایک مضمون بعنوان ''قرآنی آیات ورکوعات کی صحیح تعداد'' شائع ہوا جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق آیات کی تعداد 6236 اور رکوعات کی تعداد 558 ہی ثابت کی ہے۔

حضرت علامہ منیر احمد یوسفی نے ماہنامہ ''سیدھا راستہ'' لاہور بابت فروری ۱۹۹۷ء میں اپنی اور اپنے کچھ دوستوں کی مشترکہ تحقیق کے بعد آیات کی تعداد 6236 ہی لکھی ہے۔

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی تفسیر ''تبیان القرآن'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ! ''بعض جید محققین کی رائے ہے کہ کل آیات کی تعداد 6236 ہے''۔

قرآنی آیات ورکوعات کی تعداد کے سلسلہ میں یہ بے احتیاطی دیکھ کر قرآنی حروف کے ان اعداد وشمار پر یقین کرنا مشکل ہوگیا ہے جو کہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں اگرچہ قرآنی آیات ورکوعات کی تعداد کے سلسلہ میں مختلف روایات موجود ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید کی آیات کی تعداد میں جو اختلاف مولانا محمد عبدالغفور فاروقی نے

''بستان ابو اللیث سمر قندی'' کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

آیات مکی (حسب شمار علمائے مکہ)	آیات عراقی	آیات بصری	آیات کوفی	آیات شامی	آیات عامہ
6212	6214	6216	6236	6250	6666 [1]

اسی طرح کے اعداد و شمار علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں نقل کیے ہیں۔

ڈاکٹر حسن الدین احمد لکھتے ہیں!

''علم القرأت کے لیے اسلام کے ابتدائی دور میں پانچ درسگاہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں قائم تھیں۔ ہر درسگاہ نے آیات قرآنی کی تعداد الگ الگ بتائی جو درج ذیل ہے۔

☆ مکہ معظمہ کے مکتب خیال کے بموجب قرآن مجید کی آیات کی تعداد 6212 ہے۔

☆ اسمٰعیل بن جعفر مدنی کے بموجب آیات کی تعداد 6214 ہے۔

☆ بصرہ کے مسلمانوں نے عاصم بن حجاج کی پیروی کی جو اولین ایمان لانے والوں میں تھے ان کے بموجب قرآنی آیات کی تعداد 6216 ہے۔

☆ کوفہ کے مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے۔ اس مکتب خیال کے بموجب قرآن مجید میں 6236 آیات ہیں۔ ہندوستان میں عام طور پر اسی کی پیروی کی جاتی ہے۔

☆ شام کے مسلمان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے جو ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اس مکتب خیال کے بموجب قرآنی آیات کی تعداد 6250 ہے۔ [2]

---

۱) حدائق البیان فی معارف القرآن ص ۳۲ مطبوعہ کاشف پبلشرز لاہور

۲) احسن البیان فی علوم القرآن ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

یہ یاد رہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے قرآن کریم میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ہوگی کیونکہ اسکی حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لے رکھا ہے۔ قرآن مجید کی اس خوبی کا اعتراف اپنے تو اپنے غیروں کو بھی ہے۔ بعض کتب تفاسیر اور احادیث میں متن قرآن کے اختلاف کے بارے میں جو بعض روایات ملتی بھی ہیں تو وہ وضعی اور روایت و درایت کے لحاظ سے غیر واضح اور نا قابل اعتبار ہیں۔

الحمدللہ پوری اُمت مسلمہ قرآن پاک کے ایک ایک لفظ پر متفق ہے۔ تاہم قرآن مجید کی آیات کی تعداد کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہے تو اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ بعض شمار کرنے والے عبارت قرآنی میں اضافہ اور بعض اس میں کمی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ درحقیقت وقوف نبوی کے تعین میں جس پر مدار شمار آیات کا ہے اختلاف پیدا ہو گیا ہے کوئی ایسے وقوف کا شمار موافق اس روایت کے جو اس تک پہنچی زیادہ بیان کرتا ہے اور کوئی کم۔ جو لوگ کمی کا اظہار کرتے ہیں وہ متعدد آیتوں کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اس لیے گوشوارہ پر میزان آیتوں کی کم ہو جاتی ہے"۔ [1]

ڈاکٹر صبحی صالح "علوم القرآن" میں زرکشی کے حوالے سے لکھتے ہیں!

"علاوہ ازیں علماء نے آیات کی تعداد میں بھی اختلاف کیا ہے۔ زرکشی البرہان ج اص ۲۵۱-۲۵۲ پر لکھتے ہیں: اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کو آیات کے اختتام سے آگاہ کرنے کے لیے نبی ﷺ ہر آیت کے خاتمہ پر وقف فرمایا کرتے تھے۔ جب صحابہ اواخر آیات سے آگاہ ہو گئے تو آپ آیات کو ملا دیتے جس سے سامع یہ خیال کرتا کہ شاید یہاں آیت ختم نہیں ہوئی"۔ [2]

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے لکھا ہے کہ!

---

۱) حدائق البیان فی معارف القرآن ص ۳۲: از مولانا محمد عبدالغفور فاروقی

(۲) علوم القرآن حاشیہ نمبر ۲ ص ۱۳۹ اردو ترجمہ از غلام احمد حریری

''آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ آیت کی طرف پر وقف فرماتے تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے جس سے سننے والا یہ گمان کرتا کہ یہ ایک آیت ہے''۔ ۱

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تحت مادہ قرآن درج ہے کہ!

''آیات کی تعداد میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بعض دفعہ کچھ آیات کے اختتام پر فصل کرتے اور بعض دفعہ وصل فرماتے تھے چونکہ بعض لوگوں نے فصل کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے وصل کا لہذا تعداد میں کمی بیشی ناگزیر تھی''۔ ۲

یہی وجہ پروفیسر عبدالصمد صارم الازھری نے ''تاریخ القرآن'' میں اور پیر سید محمد جرجیس الحسن شاہ نے ''کنز القرآن'' میں لکھی ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر میں ہے کہ! ''آیت کی بناوٹ میں جملوں کی بناوٹ اور تکمیل پیش نظر نہیں رہی۔ قرآن کریم کے بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ ایک جملہ کئی آیات کے بعد مکمل ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت میں کئی کئی جملے آجاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی حد بندی زور کلام اور آہنگ کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے''۔

گذشتہ سطور میں مختلف علاقوں کے حوالے سے آیات کی مختلف تعداد نقل کی گئی ہے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ 6666 کی تعداد کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعداد کیونکر مشہور ہوگئی؟۔ میرے خیال میں اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

---

۱) تبیان القرآن ص ۱۰۹ جلد اول

۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۳۲۸ جلد ۱۶/۱ مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور

اولاً: آسانی کے لیے چاروں ہندسوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے Round Figure میں 6666 کہہ دیا گیا ہے جس طرح کہ قرآن پاک کے نزول کا زمانہ تقریباً 22 سال 5 ماہ اور 14 دن ہے لیکن اس کو آسانی کے لیے Round Figure میں 23 سال کہہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً: بعض حضرات نے حکم کے لحاظ سے آیات کی تقسیم اس طرح کی ہے:

آیات وعدہ: 1000، آیات وعید: 1000، آیات امر: 1000، آیات نہی: 1000، آیات امثال: 1000، آیات قصص: 1000، آیات تحریم: 250، آیات تحلیل: 250، آیات تسبیح: 100، آیات متفرقہ: 66۔

ان سب کا مجموعہ 6666 بنتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ قرآن پاک کے اندر کئی آیات ایسی ہیں کہ ان کے اندر وعدہ بھی ہے اور ساتھ ہی وعید بھی۔ لازمی بات ہے کہ ایسی آیات وعدہ کی آیات میں بھی شمار ہونگی اور وعید کی آیات میں بھی۔ مثلاً

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ"۔ یعنی اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

پہلے حصے میں انعام کا وعدہ ہے اور دوسرے حصے میں عذاب کی وعید ہے۔ اسی طرح کئی آیات ایسی ہیں کہ ان میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ ظاہر ہے ایسی آیات کا شمار آیات امر میں بھی ہوگا اور آیات نہی میں بھی۔ مثلاً

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا"۔ اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

اس آیت کے پہلے حصے میں امر ہے اور دوسرے حصہ میں نہی ہے۔ لہذا یہ آیت اور اس طرح کی دیگر تمام آیات، آیات امر میں بھی شامل ہوں گی اور آیات نہی میں بھی۔ لازمی بات ہے کہ اس طرح کئی آیات جب دو دو دفعہ شمار ہوں گی تو آیات کا مجموعہ اصل آیات کی

تعداد سے زیادہ آئے گا۔ اگر چہ 6666 کی تعداد آیات کی اقسام کے لحاظ سے ہے لیکن اسکو قرآن کی کل آیات کے طور پر مشہور کر دیا گیا۔

یہ بھی یاد رہے کہ اقسام کے لحاظ سے جو تقسیم ملتی ہے یہ حدیث پاک میں مذکور نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں کی کاوش ہے مجھے لگتا ہے کہ یہ تعداد بھی تخمینی ہے قطعی نہیں۔ اس لیے کہ سطور بالا میں آیات وعدہ، وعید، امر، نہی، امثال اور قصص میں سے ہر ایک کی تعداد ایک ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسا کوئی اہتمام نہیں فرمایا کہ جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ سب کی تعداد ہزار ہزار ہی ہو کم زیادہ نہ ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ یہاں بھی Round Figure کا کلیہ استعمال کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب علم وقت نکال کر احکام کے لحاظ سے نئے سرے سے آیات کا شمار کرے تاکہ حقیقی تعداد سامنے آسکے۔ اسی طرح قرآنی حروف اور کلمات کے اعداد و شمار جو مختلف کتب میں مذکور ہیں وہ بھی قطعی نہیں ہیں بلکہ تخمینی ہیں انہیں بھی دوبارہ سوچ بچار اور احتیاط کے ساتھ شمار کیا جائے تو انکے مشہور کردہ اعداد و شمار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

جب تحقیق کے بعد مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ قرآن مجید کی آیات 6666 نہیں بلکہ 6236 ہیں تو سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ رکوعات کی مشہور کردہ تعداد بھی غلط ہو۔ چنانچہ جب میں نے انہیں شمار کیا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ 540 نہیں بلکہ 558 ہیں۔ یہ میرے لیے ایک اور انکشاف تھا۔ حالانکہ مولوی محبوب عالم نے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں سیارہ ڈائجسٹ اور ماہنامہ ندائے اہل سنت لاہور کے قرآن نمبروں اور دیگر کئی کتب میں رکوعوں کی تعداد 540 ہی لکھی گئی ہے۔ یہاں تک کہ فتاویٰ عالمگیری جو کہ انتہائی معتبر اور مستند فتاویٰ ہے اس میں بھی یہی 540 کی تعداد درج ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''ان المشائخ رحمهم الله جعلوا القران خمس و اربعين ركوعاً واعلموا ذلک فی المصاحف حتیٰ یحصل الختم فی لیلة السابع

والعشرین ''۔ مشائخ پر اللہ کی رحمت ہو۔ انہوں نے قرآن مجید کو پانچ سو چالیس رکوعوں پر تقسیم کیا اور مصاحف میں علامتیں بنادیں تا کہ تراویح میں قرآن مجید کا ختم ستائیسویں شب میں ہو سکے''۔ ۱

ڈاکٹر حسن الدین احمد لکھتے ہیں! ''تراویح میں پہلے دس آیات پڑھنے کا عمل تھا۔ بعد میں اس طرح ہوا کہ جہاں مطلب ختم ہوتا وہاں رکوع کر دیا جاتا۔ اس طرح پانچ سو چالیس رکوع ہوئے۔ بعض نے یہ عمل حضرت عثمان سے اور بعض نے حضرت عمر سے منسوب کیا ہے''۔ ۲

لیکن سید قاسم محمود نے لکھا ہے کہ! ''رکوعوں کا تعین بنی اُمیہ کے عہد میں فضلا نے کیا تھا۔ ان کی تقسیم و تعین میں معنی و مفہوم تعداد آیات اور مضمون تینوں کا لحاظ رکھا گیا ہے''۔ ۳

مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ دیگر کئی ایسی کتب موجود ہیں جن میں رکوعوں کی تعداد **540** ہی لکھی گئی ہے۔ البتہ سید قاسم محمود نے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں رکوعوں کی تعداد **558** ذکر کی ہے۔ مولانا قاری حمید الرحمٰن نے اپنی کتاب ''خلاصہ مضامین سور القرآن'' میں رکوعوں کی تعداد **540** کے ساتھ ساتھ **558** کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شروع کے ادوار میں رکوعوں کی تعداد **540** ہی ہو اور بعد میں **18** رکوعوں کی تعداد کو مزید بڑھا دیا گیا ہو۔ شاید پہلے تیسویں پارے کی دو دو چھوٹی سورتوں کے بعد رکوع کی علامت لگائی گئی ہو اور بعد ازاں ہر سورت پر علامت رکوع لگانے سے یہ تعداد بڑھ گئی ہو اور یوں یہ تعداد **540** سے بڑھ کر **558** ہوگئی ہو۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو ہمارے ہاں جتنے بھی نسخے قرآن

---

۱) بحوالہ علوم القرآن ص ۲۰۱: از ڈاکٹر حسن الدین احمد

۲) احسن البیان فی علوم القرآن ص ۲۰ مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

۳) اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۱۳۲۰ مطبوعہ لاہور

پاک کے موجود ہیں چاہے وہ کسی بھی مکتبہ فکر کے ادارے سے شائع کردہ ہوں ان کے مطابق رکوعوں کی تعداد 558 ہی ہے۔

ڈاکٹر حسن الدین احمد نے لکھا ہے کہ!''ہندوستان اور پاکستان میں اس وقت رکوعوں کی جو تقسیم مروج ہے اسکے بموجب رکوعوں کی تعداد 558 ہے''۔!

اس وقت کسی بھی کمپنی کا مطبوعہ قرآن مجید لے لیں اس میں رکوع کی تعداد 558 اور آیات کی تعداد 6236 ہی بنتی ہے۔البتہ تاج کمپنی اور اویس کمپنی لاہور کے مطبوعہ قرآن مجید کے بعض نسخوں کے مطابق سورہ نساء اور سورہ انعام کی آیات کی تعداد بالترتیب 177 اور 166 لکھی ہے جبکہ دیگر کمپنیوں نے بالترتیب 176 اور 165 لکھی ہے۔ان کمپنیوں میں انجمن حمایت اسلام لاہور اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور قابل ذکر ہیں۔انہوں نے سورہ نساء اور سورہ انعام کی جس جس عبارت کو بالترتیب آیت نمبر 173 اور آیت نمبر 73 کہا ہے تاج کمپنی اور اویس کمپنی نے انہی عبارات کو دو دو آیات قرار دیا ہے البتہ تاج کمپنی کے بعض ایسے نسخے بھی موجود ہیں جن میں سورہ نساء اور سورہ انعام کی آیات کی تعداد بالترتیب 176 اور 165 ہی بتائی گئی ہے۔تاہم یہ فرق دور کیا جانا چاہیے تاکہ نمبر شمار کے حوالے سے مطلوبہ آیت تلاش کرنے میں کسی کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ سعودی عرب اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے مطبوعہ قرآن پاک میں سورہ فاتحہ سے قبل موجود ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو آیت نمبر ایک قرار دیا گیا ہے اور اس سمیت سورہ فاتحہ کی سات آیات بتائی گئی ہیں جبکہ باقی کمپنیوں نے بسم اللہ کے بغیر سورہ فاتحہ کی سات آیات تسلیم کی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ عموماً سورہ فاتحہ کے جس متن کو آیت نمبر 6 اور آیت نمبر 7 کہا گیا ہے سعودی عرب اور انجمن حمایت اسلام کے مطبوعہ قرآن پاک میں ان دونوں آیات کو ایک ہی آیت قرار دیا گیا

---

۱)احسن البیان فی علوم القرآن ص ۲۰

ہے۔ اگرچہ ایسی مختلف روایات موجود ہیں جنہیں مختلف ادارے اپنے اپنے موقف کے حق میں پیش کر سکتے ہیں لیکن وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہی بات پر اتفاق کر کے اس فرق کو دور کیا جائے اور تمام ادارے قرآن کریم کی طباعت ایک ہی طریقے اور ایک ہی انداز سے کریں۔ قرآن پاک کے تمام نسخوں میں ہر لحاظ سے مطابقت اور یکسانیت ہونی چاہیے ہمارے علماء کرام، محققین اور حکومت کو خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے اور تخریبی و انتشاری ذہن رکھنے والے لوگ اس سے بے جا فائدہ نہ اُٹھا سکیں یہ بھی ازحد ضروری ہے کہ قرآنی آیات کی تعداد 6236 اور رکوعوں کی تعداد 558 ہی لکھی اور پڑھی جائے اور اسے ہی عام کیا جائے۔

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

بقیہ (غوث پاک کی گیارہویں)

خوشی میں دسویں محرم کو روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم بھی دیا (بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۸، مسلم جلد ا صفحہ ۳۵۹)۔ ان سب احادیث میں دن مقرر کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ ثالثاً دن مقرر کرنے میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ اعلانِ عام ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اجتماع ہو سکے۔ چنانچہ منکرین کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو کام کسی خاص وقت میں کیا جاتا ہے وہ اس وقت یاد بھی آ جاتا ہے اور ضرور انجام پاتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں کبھی اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر بات میں ہیں جن کی تفصیل بہت لمبی ہے (الی ان قال)۔ حضرت غوث پاک قدس سرہ کی گیارہویں، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمت اللہ علیہ اور شیرینی حضرت بوعلی قلندر رحمت اللہ علیہ، شب برات کا حلوہ اور ایصال ثواب کے دوسرے طریقے اسی قاعدے پر مبنی ہیں (فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۲۱ تا ۲۳)۔

ابو اُسامہ ظفر القادری بکھروی ☆

(قسط 2)

کچھ علم حدیث کے بارے میں

علم حدیث سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عجالہ نافعہ میں فرماتے ہیں!

''چونکہ (حدیث) ایک قسم کی خبر ہے۔ اور خبر سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ اس لیے اس علم کو حاصل کرنے کیلیے دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ حدیث کے راویوں کے حالات کی چھان بین اور ان سے واقفیت حاصل کرنا۔ اور دوسری (ضروری) بات یہ ہے کہ حدیث کا مطلب سمجھنے کیلیۓ نہایت احتیاط سے کام لینا۔ کیونکہ اگر پہلی بات میں کوتاہی رہ گئی تو سچے اور جھوٹے میں تمیز نہ رہے گی اور اگر دوسری بات میں احتیاط نہ کی گئی اور اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوگئی تو مراد غیر مراد سے خلط ملط ہو جائے گی۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس بلند پایہ علم سے جس فائدہ کی توقع تھی وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ بلکہ فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا''۔ (حاشیہ شرح نخبۃ الفکر ص ۲۷)

سند کی تعریف:

متن حدیث کے طریق کا بیان سند کہلاتا ہے۔ طریق کا معنی ہے ''راستہ'' یعنی جو کہ مطلوب تک پہنچا دے۔ اب ناموں کا وہ سلسلہ جو کہ متن تک پہنچا دے وہ حدیث کا طریق ہوا۔ اسے اسناد کہتے ہیں۔ یعنی الفاظ حدیث سے پہلے ناموں کا سلسلہ اسناد کہلاتا ہے۔

☆) 0344-7519992

متن کی تعریف:

جس (مضمون) پر اسناد و کلام ختم ہو جائیں اسے متن کہتے ہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۲۷) یعنی جہاں اسناد ختم ہو جائے اسے متن کہا جاتا ہے۔

مثلاً: حدثنا ابو الیمان قال اخبرہ شعیب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ یہ اسناد ہے۔ اور ان رسول اللہ ﷺ قال والذی نفسی بیدہ الخ متن ہے۔

حدیث کی تعریف:

حدیث کے لغوی معانی جدید کے ہیں۔ جسے قدیم کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گفتگو، بیان، واقعہ اور قصہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں حدیث کا لفظ بمعنی گفتگو، بیان، بات، واقعہ کے معنی کے ساتھ سورۃ الکہف۔۶، سورۃ التحریم۔۳، سورۃ طٰہٰ۔۹، سورۃ البروج۔۱۷، اور سورۃ المرسلات۔۵۰ میں استعمال ہوا ہے۔

حدیث کے اصطلاحی معنی نبی کریم ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کے ہیں۔ صحابہ کرام و تابعین کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک اس کو خبر و اثر بھی کہتے ہیں۔

قولی حدیث: ۔ ایسی حدیث جس میں حضور ﷺ کا قول ذکر کیا گیا ہو۔

فعلی حدیث: ۔ ایسی حدیث جس میں حضور ﷺ کا فعل ذکر کیا گیا ہو۔

تقریری حدیث: ۔ ایسی حدیث جس میں حضور ﷺ نے اپنے سامنے ہونے والے کسی امر کے حوالے سے کچھ فرمایا ہو۔

اسی طرح صحابہ و تابعین کے حوالے سے بھی یہ ہی بات ہے۔ یعنی انکے قول و فعل و تقریر کو حدیث یا خبر یا اثر کہا جائے گا۔

طرق کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) متواتر (۲) آحاد (خبر واحد)

۱) متواتر:۔ وہ حدیث جسکے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے۔

۲) آحاد (خبر واحد):۔ وہ حدیث یا احادیث جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں۔

اقسام تواتر:۔

۱) تواتر اسناد (۲) تواتر طبقہ (۳) تواتر عمل (۴) تواتر مشترک (تواتر معنوی)

۱) تواتر اسناد:۔ یہ ہے کہ شروع سند سے آخر سند تک حدیث کو ایسی جماعت روایت کرے جس کا اجتماع جھوٹ پر محال ہو۔ جیسے حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔ علامہ ابن الصلاح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کو ۶۲ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ قریباً دو سو صحابہ نے روایت کیا ہے۔ یونہی ختم نبوت کی احادیث ہیں۔ جو کہ ڈیڑھ سو سے زائد ہیں۔ تیس کے قریب صحاح ستہ میں ہیں۔

۲) تواتر طبقہ:۔ جیسے تواتر قرآن ہے کیونکہ قرآن مجید شرقاً، غرباً، درساً، تلاوۃً، حفظاً و قرأۃً متواتر ہے۔

۳) تواتر عمل:۔ یہ ہے کہ حضور ﷺ سے لیکر آج تک ہر زمانہ میں اتنی بڑی جماعت نے اس پر عمل کیا ہو کہ اتنے لوگوں کا اتفاق جھوٹ یا غلط بات پر محال ہو۔ جیسے وضو کے اندر مسواک کرنا سنت ہے اور اسکی سنیت کا اعتقاد فرض ہے کیونکہ یہ تواتر عملی سے ثابت ہے۔

۴) تواتر مشترک (تواتر معنوی):۔ یہ کہ راویوں کے الفاظ اس میں مختلف ہوں یعنی راویوں کی ایک جماعت ایک واقعہ کو روایت کرتی ہو اور دوسری جماعت دوسرے واقعہ

کو۔اور اگر یہ سب واقعات کسی قدر مشترک پر مشتمل ہوں تو اس کو تواتر مشترک یا تواتر معنوی کہتے ہیں۔مثال کے طور پر راویوں کی ایک جماعت روایت کرے کہ حاتم طائی نے سو دینار بخشے تھے اور دوسری جماعت یوں بیان کرے کہ سو اُونٹ بخشے تھے اور تیسری جماعت بتائے کہ بیس گھوڑے بخشے تھے۔تو اب یہ تمام روایات اس بات میں مشترک ہیں کہ حاتم طائی نے اپنے مال سے کوئی سی چیز بخشی تھی جو اس کی سخاوت کی دلیل ہے۔عقائد میں اسکی مثال سماع موتی کی ہے۔

خبر واحد کی پہلی تقسیم:۔خبر واحد اپنے منتہیٰ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

۱)مرفوع (۲)موقوف (۳)مقطوع

۱)مرفوع:۔یہ وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کے قول،فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

۲)موقوف:۔یہ وہ حدیث ہے جس میں صحابی رضی اللہ عنہ کے قول،فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

۳)مقطوع:۔یہ وہ حدیث ہے جس میں تابعی علیہ الرحمہ کے قول،فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

خبر واحد کی دوسری تقسیم:۔خبر واحد راویوں کی تعداد کے اعتبار سے بھی تین قسم ہے:

۱)مشہور (۲)عزیز (۳)غریب

۱)مشہور:۔محدثین کی اصطلاح میں مشہور سے مراد وہ حدیث یا روایت ہے جسے بیان کرنے والے تین یا زیادہ افراد ہوں۔اور یہ تعداد تمام طبقات میں اسی طرح قائم رہے۔لیکن متواتر کی حد کو نہ پہنچے۔مثال کے طور پر حدیث''ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ''مشہور ہے۔اہل علم کے ہاں مشہور ہونا اور عامۃ الناس کے ہاں مشہور ہونا۔اس قسم کی کتب درج ذیل ہیں۔

۱)التذکرۃ فی الاحادیث المشتھرہ:از حافظ بدرالدین زرکشی

۲)الآلی المنشورۃ فی الاحادیث المشھورۃ:از حافظ ابن حجر عسقلانی

۳)المقاصد الحسنہ:از حافظ السخاوی

۴)کشف الخفاء: از عجلونی الجراحی

۵)النوافع العطرة فی الاحادیث لمشتھرة : از قاضی محمد بن احمد الصنعانی (معجم ص ۴۱۴)

۲)عزیز:۔ وہ حدیث جس کے راوی سند کے تمام طبقات میں دو سے کم نہ ہوں لیکن اگر کسی طبقے میں اس سے زیادہ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔تاہم ضروری یہ ہے کہ یہ تعداد کسی بھی طبقے میں دو سے کم نہ ہو خواہ وہ ایک ہی طبقہ ہو۔مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بروایت بخاری و مسلم"ان رسول اللہ ﷺ قال لا یومن احدکم حتیٰ اکون أحب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین "۔اسکی سند اس طرح ہے:
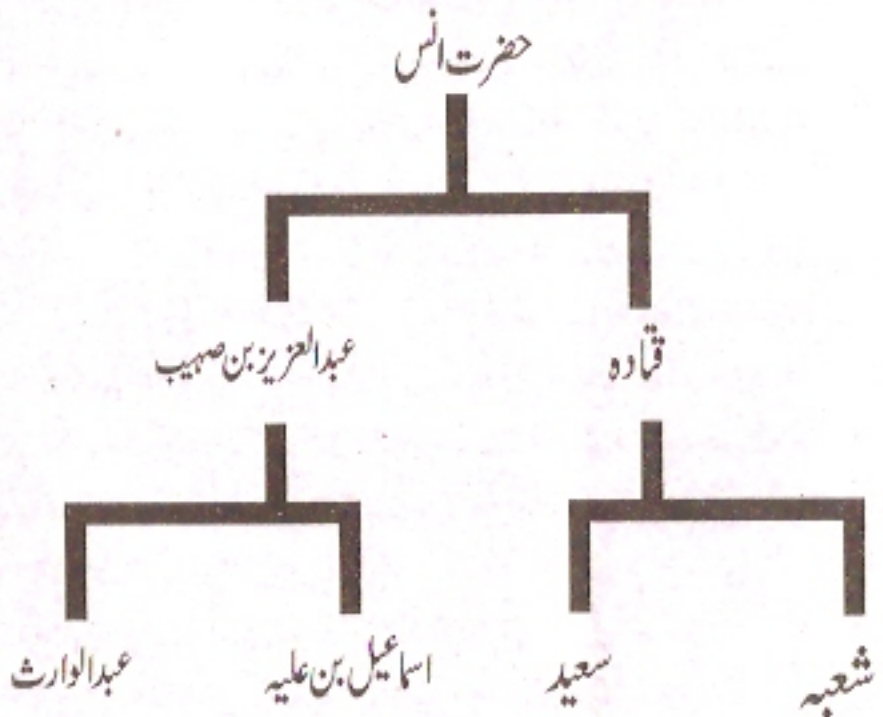
کے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو راوی قتادہ اور عبدالعزیز روایت کرتے ہیں پھر قتادہ سے شعبہ اور سعید روایت کرتے ہیں۔ جبکہ عبدالعزیز سے دو راوی اسماعیل اور عبد الوارث پھر ان سب سے کئی افراد روایت کرتے ہیں۔

۳) غریب:۔ وہ حدیث ہے جسے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو۔ یعنی وہ حدیث جسے روایت کرنے میں کوئی شخص اکیلا اور منفرد ہو اور یہ کیفیت اسکی سند کے تمام طبقات میں یا بعض میں ہو۔ یا کسی ایک طبقے میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ اگر کہیں ایک سے زیادہ راوی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اعتبار کم سے کم تعداد کا ہوتا ہے۔ اکثر علماء ''الغریب'' کو ''الفرد'' کا نام بھی دیتے ہیں۔ پھر اسکی دو قسمیں ہیں:

ا) الفرد مطلق (ب) الفرد النسبی

ا) الفرد المطلق:۔ وہ حدیث جس میں غرابت (تفرد) سند کی ابتداء میں ہو یعنی آغاز سند میں ہی روایت کرنے والا کوئی اکیلا شخص ہو۔ مثلاً حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' (بخاری و مسلم) کی روایت میں صحابی رسول حضرت عمر بن خطاب منفرد ہیں۔

۲) الفرد النسبی:۔ وہ حدیث جسکی سند کے درمیان کے کسی طبقے میں کوئی راوی اکیلا رہ جائے۔ یعنی ابتداء اور اصل سند میں روایت کرنے والے (صحابہ) تو بہت ہوں لیکن بعد کے کسی طبقے میں کوئی راوی اپنے مشائخ سے روایت کرنے میں اکیلا رہ جائے۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم:۔ خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ قسم ہے:

ا) صحیح لذاتہ:۔ وہ حدیث ہے جس کے کل راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو۔ معلل و شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔ اسکو صحیح یا صحیح لذاتہ کہتے ہیں۔

۲) حسن لذاتہ:۔ وہ حدیث ہے جسکے راوی میں صرف ضبط ناقص ہو باقی سب شرائط صحیح لذاتہ کے اس میں موجود ہوں۔

۳) ضعیف:۔ وہ حدیث ہے جس کے راوی میں حدیث صحیح و حسن کی شرائط نہ پائی

جائیں۔

کسی بھی حدیث کے ضعیف قرار دینے کیلئے مختلف اسباب ہیں یہ اسباب مجموعی طور پر ان دو امور میں واقع ہوتے ہیں۔

۱) راوی میں عیب (۲) سند میں سقوط

۴) صحیح لغیرہ:۔ اُس حدیث حسن لذاتہٖ کو کہا جاتا ہے جسکی سندیں متعدد ہوں۔

۵) حسن لغیرہ:۔ اس حدیث ضعیف کو کہا جاتا ہے جسکی سندیں متعدد ہوں۔

۶) موضوع:۔ وہ حدیث جسکے راوی پر حدیث نبوی میں جھوٹ بولنے کا طعن ہو۔ یعنی کسی راوی میں یہ عیب ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور من گھڑت باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کی روایت موضوع ہے۔

۷) متروک:۔ وہ حدیث جس کا کوئی راوی ایسا ہو جس پر جھوٹے ہونے کی تہمت ہو تو اس کی روایت کو متروک کہتے ہیں۔

8) شاذ:۔ وہ حدیث جس کا راوی ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعت کثیرہ کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہیں۔

۹) محفوظ:۔ وہ حدیث جو شاذ کے مقابل ہو۔

۱۰) منکر:۔ وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات کے مخالف روایت کرے۔

۱۱) معروف:۔ وہ حدیث جو منکر کے مقابل ہو۔

۱۲) مُعَلَّل:۔ وہ حدیث جس میں کوئی ایسی علت خفیہ ہو جو صحت حدیث میں نقصان دیتی ہو۔ اسکو معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔

۱۳) مُضطرِب:۔ وہ حدیث جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف واقع ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

۱۴) مقلوب:۔ وہ حدیث جس میں بھول سے متن یا سند کے اندر تقدیم یا تاخیر واقع ہو گئی ہو۔ یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا گیا ہو۔ یا بھول کر ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی رکھا گیا ہو۔

۱۵) مُصَحَّف:۔ وہ حدیث جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں، حرکتوں و سکونوں کے تغیر کی وجہ سے تلفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔

۱۶) مُدْرَج:۔ وہ حدیث جس میں کسی جگہ راوی اپنا کلام درج کر دے۔

خبر واحد کی چوتھی تقسیم:۔ خبر واحد سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم ہے:

۱) مُتَّصِل:۔ وہ حدیث کہ اس کی سند میں راوی پورے مذکور ہوں۔

۲) مُسْنَد:۔ وہ حدیث کہ اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔

۳) منقطع:۔ وہ حدیث کہ اسکی سند متصل نہ ہو بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی گرا ہوا ہو۔

۴) مُعَلَّق:۔ وہ حدیث جس کی سند کے شروع سے ایک راوی یا کثیر راوی گرے ہوئے ہوں۔

۵) مُعْضَل:۔ وہ حدیث جس کی سند کے درمیان میں سے کوئی راوی گرا ہوا ہو یا ایک سے زائد راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں۔

۶) مُرْسَل:۔ وہ حدیث جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو۔

۷) مُدَلَّس:۔ وہ حدیث جسکے راوی کی یہ عادت ہو کہ وہ اپنے شیخ یا شیخ الشیخ کا نام چھپالیتا ہو۔

نقشہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

قبولیت اور عدم قبولیت کے لحاظ سے حدیث کی تقسیم
حدیث
قابل قبول
ناقابل قبول
صحیح
حسن
ضعیف
موضوع
لذاتہ
لغیرہ
لذاتہ
لغیرہ
سند میں سقوط کی وجہ سے
راوی میں عیب کی وجہ سے
سقوط جلی
سقوط خفی
عدالت راوی میں عیب
ضبط راوی میں عیب
منقطع
معضل
مرسل
معلق
مدلس
مرسل خفی
کذب
جھوٹ کا الزام
فسق و فجور
راوی کا مجہول ہونا
بدعت
کثرت غفلت اور منکر ہونا
وہم کا شکار ہونا
حافظے کی کمزوری
مستقل
عارضی
ثقہ راویوں کی مخالفت
سیاق کی تبدیلی
مرفوع اور موقوف کو ملانا
تقدیم اور تاخیر
سند میں راوی کا اضافہ
تبدیلی راوی
تبدیلی حروف
تبدیلی نقاط

از قلم: کرنل (ر) الطاف محمود ہاشمی ☆

(قسط 1)

قبر سے حصولِ فیض

یہ 21 جولائی 2003ء/20 جمادی الاول 1424ھ، پیر کے دن کی بات ہے کہ میں واہ کینٹ سے لاہور میں سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر رات بسر کرنے حاضر۔ میں حضرت داتا صاحب کے چہرہ مبارک کے سامنے پشت قبلہ کی جانب کیے بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند نہیں ہو رہی تھیں اور مراقبہ والا ماحول بن نہیں پا رہا تھا، لہٰذا وقت گذاری کے لیے آتے جاتے لوگوں کی حاضری کے انداز کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رات کوئی ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ اپنے پیچھے پینٹ شرٹ میں ملبوس ایک پیارا سا بچہ نظر پڑا جو سر جھکائے، آنکھیں بند کیے اس جہان و مافیہا اور اس کے شور شرابے سے مکمل طور پر بے نیاز کسی تصور میں گم بیٹھا تھا۔ میری نظر اس پر ٹک گئی کیونکہ تمام ہجوم میں یہی بچہ ایسا نظر آیا جس کے مطالبات (اگر کچھ ہوں گے) تو باقی لوگوں سے مختصر بھی ہوں گے اور سادہ بھی۔ میں اٹھ کر اس کے قریب جا بیٹھا تا کہ اس سے اس بے نیازی کا راز پوچھ سکوں۔ لیکن اس کیفیت میں اس کی توجہ اُس کے مقصد سے ہٹانا رسمِ دنیا کے بھی خلاف تھا اور آداب موقع کے بھی۔ کوئی پندرہ بیس منٹ بعد اس نے سر اٹھایا، دائیں بائیں دیکھا اور غالباً ''وطن سے واپسی'' کا سفر شروع کیا۔ جب وہ مکمل طور پر واپس آ گیا تو میں نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے السلام علیکم کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ نام اور وطن دریافت کرنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا ''ایاز بیٹے! یہ سر جھکا کر آپ کن خیالوں میں مگن تھے؟'' چونکی سے آئے ہوئے گیارھویں جماعت کے اس طالب علم نے جواب دیا

☆) 0300-5570547

کہ مراقبہ کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اُس نے مراقبہ کہاں سے سیکھا ہے؟ ایاز نے تھوڑے فاصلے پر تازہ شیو شدہ، سر پر رومال باندھے، کسی اور جہان میں مستغرق، لوگوں سے بے نیاز، سر سینے پر ڈھلکا ہوا، چار زانو بیٹھے، کسی خیال میں منہمک تیس کے پیٹے میں ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ''یہ میرے بھائی عامر ہیں۔ ایک بھائی ان سے بھی بڑے ہیں جو کندیاں میں حضرت مولانا خان محمد صاحب کے خلفاء میں سے ہیں، ہم نے مراقبہ ان سے سیکھا ہے۔'' میں نے کسی خیال کے پیشِ نظر اُس سے پوچھا کہ آپ کے شیخ آپ لوگوں کو یہاں آنے سے منع نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا ''نہیں! وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی لاہور جاؤ تو داتا صاحب ضرور حاضری دیا کرو۔'' میں نے ایاز سے مزید سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اٹھ کر ذرا تھکاوٹ دور کرنے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو دونوں بھائی پھر اسی انہماک میں چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ اس عمر میں ان کو کیا لگ گئی ہے کہ آدھ گھنٹہ انہیں کسی چیز کا ہوش نہ تھا اور اپنی حالت یہ تھی کہ اپنے علاوہ ہر چیز کا ہوش تھا۔ جب اس نے سر اٹھایا اور اٹھ کر باہر نکلنے لگا تو میں نے سلام لیا، مصافحہ کیا۔ عامر نے بڑی محویت سے بتایا کہ اس کے بڑے بھائی گھنٹوں کے حساب سے دو زانو بیٹھ کر مراقبہ کرتے ہیں۔ اس کو اس بات کا قلق تھا کہ اس سے زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا۔ میں نے نہایت دلچسپی سے ایاز سے پوچھا کہ مراقبہ کیا ہوتا ہے؟ وہ تھوڑا ہچکچایا۔ عمر کے فرق اور بچپنے کی بنا پر وہ الفاظ کی ادائی پر پوری قدرت نہیں پا رہا تھا ''مراقبہ میں صاحب مزار کی جانب متوجہ ہو کر اُن سے فیض لیتے ہیں۔'' میں سوچ میں پڑ گیا کہ دنیا میں تو ہر چیز آنکھیں کھول کر لی جاتی ہے، یہ فیض عجیب شے ہے جو آنکھیں بند کر کے لی جا رہی ہے۔ پھر خیال آیا کہ جہاں پاکیزہ اور قادر ترین ذات اپنے محبوب ﷺ کو سیر کے لیے سورج کی روشنی کی بجائے شب اماوس (۱) کا انتخاب فرمائے تو یقیناً اس جہان میں کچھ ایسا ضرور ہو گا جو

---

(۱) ایسی تاریک رات جس میں چاند بھی نظر نہیں آتا۔

آنکھیں بند کر کے لینا پڑتا ہوگا۔

فیض کے لفظی معنی ہیں ابل پڑنا، پھوٹ نکلنا، چھلکنا، کناروں سے گذر جانا۔ نور کے منبع سے شعاعوں کے نکلنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے...... فیض کا لفظ فعلِ خدا، فعلِ ارواحِ سافلہ (زمینی ارواح) اور فعلِ انسانِ اول سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن فعلِ خدا کے لیے مستعمل ہو تو لامحالہ اس کا بلند ترین مفہوم مراد ہوتا ہے۔ [1]

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر، قرآنِ پاک کی تلاوت، اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ﷺ کی اتباع کے ساتھ ساتھ ذکر و اذکار اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و خوض اور تدبر کرتا ہے (عموماً مراقبہ کی صورت میں) تو اللہ تعالیٰ اسے نور سے نوازتا ہے۔ قرآنِ پاک میں اس نور اور اس کے حصول کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"۔ [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہا کرو اور (سچے دل سے) اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لے آؤ۔ (اس کے نتیجہ میں) اللہ تعالےٰ تمہیں اپنی رحمت سے دہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایک نور بنا دے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور (وہ) تمہیں بخش دے گا۔ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان انوار کے ورود کا تذکرہ قرآنِ پاک میں جابجا ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط"۔ [3]

ترجمہ: کیا وہ شخص جو (پہلے) مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے نور بنا دیا

---

۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 15: صفحہ 1083 (۲) سورۃ الحدید آیت نمبر 28

۳) سورۃ الانعام آیت نمبر 123

جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، اس (شخص) جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہو اور ان سے نکلنے والا نہ ہو؟۔

''فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O [1]

ترجمہ: جو لوگ (قرآن پاک پر) ایمان لائیں گے اور اس کی تائید اور مدد کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اس (قرآن پاک) کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

حدیث پاک میں بھی اس نور اور فیض کا تذکرہ موجود ہے: ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ''۔ (ترمذی)

ترجمہ: مومن کی فراست سے بچا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔] انہیں انوار کو عرف عام میں ''فیض'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صرف فیض کا ورود ہی کیا، ایمان پر ثابت قدم رہنے والے پر آج بھی اللہ تعالیٰ فرشتے اتارتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ O نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ. وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ O''۔ [2]

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ اور تمہیں (اس) جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ شے ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور

(۱) سورۃ الاعراف آیت نمبر 157 (۲) حم السجدہ آیت نمبر 30 تا 31

تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی اُس غفور رحیم کی طرف سے ہے۔

یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ یہ فیض ہر مسلمان پر اطاعتِ الٰہی، اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ، ایمان کی مضبوطی، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آزمائشوں پر استقامت کے مطابق وارد ہوتا ہے۔ ورود فیض کا نتیجہ شرحِ صدر ہوتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O [1]

ترجمہ: کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ نور پر چل رہا ہے اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے فیض اور (اس کے نتیجہ میں) شرحِ صدر عطا ہوا ہی نہ ہو؟ پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل ذکرِ الٰہی سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

قرآن کریم کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ورود انوار سے شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے جبکہ ورود انوار اللہ تعالیٰ کے ذکر کا نتیجہ ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے انوار اور شرحِ صدر کی منزل عطا فرمائی ہے اُن کی بہت سی مثالیں قرآنِ پاک میں ملتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سینکڑوں میل دور سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لینے کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے: وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ O [2]

ترجمہ: (یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ اور اپنے سب اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔ اور جونہی قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے والد نے فرمایا کہ میں

---

۱) سورۃ الزمر آیت نمبر 22 (۲) سورۃ یوسف آیت نمبر 94

یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔

یہ شرح صدر ہے کہ سینکڑوں میل دور سے بیٹے کی خوشبو سونگھی جا رہی ہے، قمیض سے سفید آنکھوں میں بینائی لوٹائی جا رہی ہے۔ بھلا قمیضوں سے بینائی کا علاج ہوتا ہے؟ جی ہاں جب انوار اور شرح صدر حاصل ہو جائے تو یہ سب کچھ ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کو گمان گذرے کہ یہ واقعات تو انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہیں جو وحی سے مقام دیے گئے تھے، اولیاء اللہ اس معاملہ میں کیا مقام رکھتے ہوں گے؟ قرآن پاک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہنے پر آصف بن برخیا (سلیمان علیہ السلام کے امتی) 2300 کلومیٹر دور یمن سے ملکہ بلقیس کا تخت پلک جھپکنے میں بیت المقدس میں اٹھا لائے۔ قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ"۔ [1]

ترجمہ: (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا۔ اے میرے درباریو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا، اس سے پہلے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں؟ ...... اب ایک ایسا شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لا پیش کرتا ہوں۔ جونہی انہوں نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فوراً پکار اٹھے "یہ میرے رب کا فضل ہے۔"

آصف بن برخیا نبی نہیں انسان تو تھے، یہ فیضان اتنا موثر ہے کہ اگر یہ نہایت مختصر سے جانور پر پڑ جائے تو اس کی آواز اور بصارت کو میلوں دور تک وسعت دے دیتا ہے، جانوروں میں جانور بھی وہ جس کی آنکھیں زمین کے ساتھ لگی ہیں، اوپر اور دور دیکھنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں، یعنی چیونٹی۔ نگاہ و فیض نبوت پڑنے کی دیر ہے کہ یہ چیونٹی سلیمان

---

1) سورہ نمل آیت نمبر 38,40

علیہ السلام اوران کے لشکر کو میلوں دور سے دیکھ بھی رہی ہے، انہیں سن بھی رہی ہے اور سمجھ بھی رہی ہے۔ جس جانور کی آواز آج کی ترقی یافتہ سائنس ہزار کوشش کے باوجود سننے سے قاصر ہے، سلیمان علیہ السلام اس کی آواز کئی کلومیٹر دور سے سن رہے ہیں۔ قرآن پاک اس حقیقت کا اظہار یوں کرتا ہے: قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا''۔[1]

ترجمہ: ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا ''اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان (علیہ السلام) اوران کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل ہی نہ ڈالیں۔ سو اس کی بات پر سلیمان (علیہ السلام) مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔

یہاں غور طلب مقام یہ ہے کہ جونہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی توجہ چیونٹی کی طرف مبذول ہوئی تو وہ چیونٹی جو چند انچ تک دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتی، کئی کلومیٹر دور نبی علیہ السلام اوران کے لشکر کو صرف دیکھ ہی نہیں رہی، انہیں پہچان بھی رہی ہے۔ جب یہ توجہ اتنے معمولی جانور پر اثر انداز ہوئے بنا نہیں رہتی تو اگر انسان اس طرف توجہ دے تو وہ کیوں اس سے محروم رہے گا؟ یہ بات واضح ہوگئی کہ فیض، انوارات، نزولِ ملائکہ اور شرح صدر کا سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ اس کے اثرات ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

اور جنہیں وہ فیض میسر آجائے ان کے متعلق اقبال فرماتے ہیں:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

---

1) سورۃ النمل آیت نمبر 18، 19

الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو

کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ بیتے ہوئے انکشافات کا تذکرہ فرماتے ہیں: باب ''کراماتِ اولیاء'' میں لکھتے ہیں:

1۔ مجھے ایک مشکل درپیش تھی جس کا حل میرے لیے دشوار تھا لہٰذا میں شیخ ابوالقاسم کرمانی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لیے طوس پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور عالمِ تنہائی میں میرا حال ایک ستون سے کہہ رہے ہیں۔ مجھے بغیر سوال کیے جواب مل گیا۔ میں نے پوچھا ''جناب شیخ! یہ آپ کسے کہہ رہے ہیں؟'' فرمایا ''ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے اس ستون کو زبان دی اور اس نے یہ سوال مجھ سے پوچھا (اور میں اس کا جواب دے رہا تھا)۔''

2۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں میہنا میں ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسبِ عادت تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سفید کبوتر آیا اور قبر کے غلاف کے اندر چلا گیا۔ میں سمجھا کسی کا پالتو کبوتر اُڑ کر چلا آیا ہے۔ غلاف اٹھا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا جس سے مجھے سخت تعجب ہوا۔ ایک رات شیخ مجھے خواب میں نظر آئے تو میرے پوچھنے پر فرمایا ''کبوتر میری صفائے معاملات ہے جو ہر روز میری ہم نشینی کے لیے زیرِ لحد آتا ہے۔''

راقم الحروف (الطاف محمود) قیامِ واہ کے عرصہ میں قریبی گاؤں گڑھی افغاناں میں پیر محمد اعظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار سخت پریشانی کا سامنا تھا جو کسی صورت حل نہ ہو پا رہی تھی۔ لہٰذا خاص طور پر اپنی پریشانیوں کے حل کے لیے حاضر ہوا۔ اتنا عرصہ بہت قریبی تعلق رہنے کے باوجود بھی ذاتی اور گھریلو معاملات اور پریشانیوں کا ذکر باہم نہ ہوا تھا۔ میرے شیخِ طریقت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی

کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو

کشف المحجوب میں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ بیتے ہوئے انکشافات کا تذکرہ فرماتے ہیں: باب "کراماتِ اولیاء" میں لکھتے ہیں:

1۔ مجھے ایک مشکل درپیش تھی جس کا حل میرے لیے دشوار تھا لہٰذا میں شیخ ابوالقاسم کرمانی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لیے طوس پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور عالمِ تنہائی میں میرا حال ایک ستون سے کہہ رہے ہیں۔ مجھے بغیر سوال کیے جواب مل گیا۔ میں نے پوچھا "جناب شیخ! یہ آپ کسے کہہ رہے ہیں؟" فرمایا "ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے اس ستون کو زبان دی اور اس نے یہ سوال مجھ سے پوچھا (اور میں اس کا جواب دے رہا تھا)۔"

2۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں مہنا میں ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حسبِ عادت تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سفید کبوتر آیا اور قبر کے غلاف کے اندر چلا گیا۔ میں سمجھا کسی کا پالتو کبوتر اُڑ کر چلا آیا ہے۔ غلاف اٹھا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا جس سے مجھے سخت تعجب ہوا۔ ایک رات شیخ مجھے خواب میں نظر آئے تو میرے پوچھنے پر فرمایا "کبوتر میری صفائے معاملات ہے جو ہر روز میری ہم نشینی کے لیے زیرِ لحد آتا ہے۔"

راقم الحروف (الطاف محمود) قیامِ واہ کے عرصہ میں قریبی گاؤں گڑھی افغاناں میں پیر محمد اعظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار سخت پریشانی کا سامنا تھا جو کسی صورت حل نہ ہو پا رہی تھی۔ لہٰذا خاص طور پر اپنی پریشانیوں کے حل کے لیے حاضر ہوا۔ اتنا عرصہ بہت قریبی تعلق رہنے کے باوجود بھی ذاتی اور گھریلو معاملات اور پریشانیوں کا ذکر باہم نہ ہوا تھا۔ میرے شیخِ طریقت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

"لوگ ہمارے پاس اس وقت آتے ہیں جب پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں اگر یہ لوگ فقراء کے پاس خوش وقتی کی حالت میں آئیں اور جب ان سے پوچھیں تو بتائیں کہ صرف ملنے کے لیے آئے ہیں تو اُن پر کبھی پریشانی نہ آئے۔" اس فرمان کی روشنی میں یہ نیت کر کے گیا کہ نہ تو پریشانیوں کا ذکر کرنا ہے اور نہ ہی دعا کے لیے کہنا ہے۔ حضرت نے مجھ سے کچھ سنے بغیر ہی ختم خواجگان منگوایا اور مجھے ایک جگہ دکھاتے ہوئے فرمایا "یہ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر حاجت پوری فرما دیتا ہے۔" یہ لوگ ہیں جنہیں شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ علامہ اقبال حضرت مجدد کے مزار پر حاضر ہوئے اور ان ورود انوار کے مشاہدہ ان الفاظ میں کیا:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک ہے کہ زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد وہ فیض جس طرح پردہ پوش ہو گیا لیکن اس کی ضرورت کے پیشِ نظر اس کے عام ہونے کی خواہش کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب وقت ہے کہ تیرا فیض عام ہو اے ساقی

ابھی یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس فیض ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ چلتے ہیں اور قرآنِ پاک کے مطابق باقی مخلوق سے اسی بنا پر ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی ایک جہت شریعتِ محمدی ﷺ پر عزیمت کے ساتھ عمل کرنا ہے اور دوسری جہت یقینِ محکم اور توکل علی اللہ پر ایسی پختگی ہے کہ وہ ماسواہ اللہ سے مکمل غنی اور بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ صرف پہلی جہت رکھنے والی شخصیات کی پہچان آسان ہے جبکہ دوسری جہت والوں کا پہچاننا از حد مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ ایسے کامل انسانوں کی تلاش کے مشکل کام کی بجائے معروف بزرگوں، خاندانی سجادہ نشینوں اور پیشہ ور گدی نشینوں کی غلام گردش کا شکار

ہونا سہل سمجھتے ہوئے اپنے جواہر ضائع کرتے ہیں۔ جو لوگ ان سلاسل سے وابستہ ہیں ان کا اگر سروے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پچانوے فیصد سے زائد لوگ باپ دادا کی وجہ سے ان گدیوں سے وابستہ ہیں، یہ وابستگان کبھی ان کی اہلیت کا ذکر نہیں کریں گے۔ باقی پانچ فیصد لوگ پہلے ہو چکے مریدوں سے جھوٹی سچی کراماتیں سن کر مرید ہو جاتے ہیں۔ پوری آبادی میں سے چند افراد ایسے ہوں گے جو فقط مشاہدہ الٰہی کے ذریعے حق الیقینی کی منزل طے کرنے کی غرض سے مرید ہوتے ہیں۔

یہ بات نہایت اعتماد اور ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ جن لوگوں کی ذات میں غنا اور بے نیازی ہے وہی اپنی آستینوں میں ید بیضا لیے بیٹھے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ جو شخص بے نیازی کے اس مقام پر فائز ہے اسے کیا پڑی ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو؟

علامہ اقبال انھیں لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں:

خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

دراصل یہی کٹھن منزلیں ہمیں ایسے بندگانِ خدا سے دور رکھتی ہیں۔ یہ جو بات مشہور ہے کہ باب چھپے ہوتے ہیں تو اس کی یہی وجہ سمجھ آتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق چاہیے ہوتا ہے جو بندے اور خدا کے درمیان حجابات اٹھا دے تو ان کے لیے یہ باب نہ صرف مائل بہ کرم ہوتے ہیں بلکہ ان کی انتظار میں ہوتے ہیں۔ اگر انہیں طالب کی طلب صدق اور مضبوط قوتِ ارادی کا یقین ہو جائے تو بلا تامل پوری جھولی انڈیل دیتے ہیں۔ معمولی جائیداد کے لیے جھوٹ بولنے، مکر و فریب کرنے، وعدوں اور معاہدوں کی دھجیاں بکھیرنے، بہن بھائیوں سے قطع تعلق کرنے اور اپنے بچوں سے بڑوں کو گالیاں دلوانے والے اپنی پیری کو جتنا بھی وسیع کر لیں انہیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کے حضور سے اس بے نیازی اور توکل سے حصہ ملنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ پر توکل اور مخلوق سے بے نیازی ایک دن کے لیے خود پر طاری کر کے دیکھ لیجیے کہ

حصولِ فیض اور تعلق باللہ کتنا آسان یا مشکل ہے پھر اس جانب چلنے کا فیصلہ کیجیے۔

(جاری ہے)

بقیہ اسلام اور رسک مینجمنٹ

علیہ وسلم بڑی آسانی کے ساتھ وہاں سے نکل آتے ہیں۔اسی طرح ہجرت کے دوران مدینہ منورہ جانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن تک غار ثور میں قیام کرنا اور مختصر شمالی راستے کی بجائے براستہ یمن طویل جنوبی راستے کا انتخاب فرمانا بھی خطرات کو کم کرنے کے لئے تھا۔کیونکہ اس طریقے سے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے شمالی راستے کو اختیار کیا،جس کی وجہ سے اُن کا وقت ضائع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر باسانی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

آج پوری دنیا میں رسک مینجمنٹ دوسرے علوم کی طرح باقاعدہ ایک علم (Science) کے طور پر متعارف کرایا جارہا ہے،اسے مختلف شاخوں مثلاً ٹریولنگ میں تقسیم کرکے ہر ایک کی الگ وضاحت کی جارہی ہے۔اس کے دائرہ کار کو وسیع کرنے،عام لوگوں تک اس کے بارے میں شعور وآگہی پیدا کرنے،اس کی اہمیت اُجاگر کرنے اور اس کے فوائد منتقل کرنے کی غرض سے دنیا بھر میں مختلف قسم کے کورسز کروائے جارہے ہیں اور باقاعدہ عملی وتربیتی پروگرامز اور سیمینار کا انعقاد بھی ہورہا ہے۔انجینئرنگ،میڈیکل اور علم کے دوسرے تمام شعبہ جات میں اسے بطور ایک لازمی مضمون کے شامل کیا گیا ہے۔لیکن اگر اسلام میں رسک مینجمنٹ کے بارے میں مذکورہ بالا معلومات کی روشنی میں غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے منظم انداز میں نہ صرف رسک مینجمنٹ کا نظریہ دیا اور اس کی حقیقی اہمیت کو اجاگر کیا بلکہ اس کا عملی اطلاق بھی کرکے دکھایا۔اسلام نے عقائد،عبادات اور معاملات ہر ایک میں رسک کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف اوقات میں رسک کو کور (cover) کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تحریر: علامہ قاری محمود الحسن اویسی قادری☆

C_295 میں ترمیم کیوں؟

وطن عزیز پاکستان میں قرآن وسنت کی روشنی میں گستاخانِ انبیاءِ کرام کے لیے سزائے موت کا قانون بنا تو اہلِ ایمان کے دل باغ باغ ہو گئے۔ ان کے قلوب واذہان مسرت وخوشی سے جھوم اٹھے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈک پا گئیں کہ اب کوئی دریدہ دہن محبِ آخرالزماں شفیعِ مجرماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات بلکہ کسی بھی نبی ورسول کی توہین، بے ادبی یا گستاخی کرنے کی جسارت وجرأت نہ کرنے پائے گا۔ لیکن اسی ملکِ خداداد پاکستان میں جہاں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والے اور شیدائی خوش ہوئے وہاں جانے کیوں کچھ لوگ تڑپ اٹھے اور تب سے اب تک اس قانون میں ترمیم بلکہ تنسیخ کے درپے ہیں اور وقفے وقفے سے سر اٹھاتے رہتے ہیں لیکن جب بھی انہوں نے سر اٹھایا ''سر منڈاتے ہی اولے پڑے'' کے مصداق غلامانِ مصطفیٰ نے ان کی سرکوبی کر ڈالی۔ آیئے ان لوگوں کے اعتراضات (شکوک وشبہات) کا بنظرِ انصاف ایک جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے ایک نظر اعتراضات پر ڈال لیجئے پھر ان کا تجزیہ بھی کرینگے انشاءاللہ۔

پہلا اعتراض: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے۔ اپنے دشمنوں اور راستے میں کوڑا کرکٹ ڈالنے والوں کو معاف فرما دیا کرتے تھے تو ہم سزا کیوں دیں؟

دوسرا اعتراض: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام لیا نہ ہی کسی کو سزا دلوائی۔

☆) 0321-5618894، خطیب مرکزی جامع مسجد گوجر خان

تیسرا اعتراض:اس قانون کی وجہ سے بیرونی دنیا میں ہم وحشت گرد سمجھے جاتے ہیں۔ہمارا مذاق اڑایا جاتا ہے اور پاکستان کا وقار ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

چوتھا اعتراض:اگر کسی سے گستاخانہ کلمات ادا ہو ہی جائیں تو ضروری نہیں کہ اس کی نیت بھی گستاخی کی ہو۔ہو سکتا ہے اس سے غیر ارادی طور پر ایسے الفاظ صادر ہو گئے ہوں تو اس کے لئے بھی یہی سزا کیوں؟

پانچواں اعتراض:اگر کوئی اپنے الفاظ پر تہ دل سے نادم ہو کر توبہ کی طرف مائل ہو تو اسے تو اس سزا سے مستثنیٰ ہونا چاہئے۔

چھٹا اعتراض:اس قانون کی آڑ میں لوگ ذاتی دشمنوں پر جھوٹا الزام عائد کر کے انہیں تختۂ دار تک پہنچا دیتے ہیں۔

ساتواں اعتراض:یہ قانون اقلیتوں کے سر پر ایک ننگی تلوار ہے۔

آٹھواں اعتراض:ایسے مقدمات میں اگر ملزم بے گناہ بھی ہو تو جج صاحبان عوامی دباؤ کے پیشِ نظر صحیح فیصلہ نہیں دے سکتے۔

جواب نمبر 1:اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ نے جن لوگوں کے جرائم اور بے ادبیوں کو قابلِ معافی سمجھا اپنے حقوق معاف کرنے کا اختیار رکھتے ہوئے معاف فرما دیا اس لئے کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہر شخص اپنے حقوق معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن اگر بندہ خود معاف نہ کرے تو بندے تو بندے رہے اللہ بھی معاف نہیں فرماتا۔اس لئے آج کے دور میں اگر کوئی بدبخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا مرتکب ہو تو امت اسے معاف کرنے کی کسی صورت بھی مجاز نہیں۔

جواب نمبر 2:جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے معافی کی مثالیں دینے والوں

کو شاید یہ معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے حکم سے اپنے کئی گستاخوں کو قتل بھی کروایا ہے۔ بغیر کسی تفصیل کے چند نام پیش خدمت ہیں جنہیں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکماً قتل کروایا:

۱۔ کعب بن اشرف یہودی کو محمد بن مسلمہ ﷛ نے قتل کر کے حکم کی تعمیل فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ ابو رافع عبداللہ بن ابی الحقیق کو عبداللہ بن عتیق ﷛ نے قتل کر کے تعمیل حکم فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ ایک گستاخ عورت کو حضرت زبیر ﷛ نے قتل کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم پورا کیا۔ (مصنف عبدالرزاق)

۴۔ ایک اور گستاخ عورت کو قتل کرنے کا شرف حضرت خالد بن ولید ﷛ کو حاصل ہوا۔ (مصنف عبدالرزاق)

۵۔ ایک گستاخ مرد کو بھی حضرت خالد بن ولید ﷛ ہی نے حکمِ رسول پر قتل کیا۔ (دلائل النبوۃ)

۶۔ ایک گستاخ عورت کو قتل کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو اسی کے قبیلہ کے ایک شخص نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (شفاء شریف)

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمانے کے باوجود چار مردوں اور دو عورتوں کے قتل کا حکم دیا جن میں سے:

۷۔ عبداللہ ابن خطل کو غلاف کعبہ سے نکال کر سعید بن حارث ﷛ نے قتل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ (نسائی شریف)

۸۔ مقیس بن صبابہ کو بازار میں صحابہ کرام ﷛ نے قتل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

خوش کیا۔ (نسائی شریف)

جب کہ باقی دو حضرات عکرمہ بن ابی جہل اور عبداللہ بن ابی السرح قتل ہونے سے پہلے ہی بارگاہِ مصطفیٰ میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر غلامانِ مصطفیٰ میں شامل ہو گئے اور یوں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادرِ رحمت میں ہمیشہ کے لئے پناہ لے لی۔

یہ وہ بدبخت تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکمِ خاص سے قتل کیا گیا۔ ان دلائل سے آج کا کوئی ''روشن خیال'' اور بزعمِ خویش ''اسلامک سکالر'' یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ٹھیک ہے جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا انہیں قتل کر دیا گیا لیکن ہمیں تو حکم نہیں دیا گیا تو ہم کسی کو یہ سزا کیسے دے سکتے ہیں۔ جواباً گزارش ہے کہ ان دلائل سے اولاً تو ہمیں گستاخانِ رسول کی سزا معلوم ہو گئی آئندہ جو بھی اس جرم میں گرفتار ہو گا اس کی سزا ایسی ہو گی۔ ثانیاً اگر کوئی بضد ہو کہ بغیر حکم کے یہ سزا نہیں دی جا سکتی تو اسے درج ذیل دلائل پر غور کرنا چاہئے جن میں صحابہ کرام ﷺ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں خود ہی گستاخانِ رسول کو ٹھکانے لگا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس عمل کو نہ تو غلط کہا اور نہ ہی قصاص یا دیت دلوائی۔ بلکہ ان کے عمل کو پسند فرمایا۔

۱۔ سیدنا عمر فاروق ﷺ نے ایک منافق (بظاہر مسلمان) کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے پر قتل کر ڈالا آپ کے اس عمل کو نہ صرف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراہا بلکہ خود خدا نے بھی اپنی لاریب کتاب میں تائید کر دی۔ (سورۃ النساء۔ ۶۵)

۲۔ ایک نابینا صحابی نے اپنے دو بچوں کی ماں (اپنی باندی) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے پر قتل کر دیا۔ (ابوداؤد شریف)

۳۔ایک یہودیہ کو گستاخی پر ایک صحابی نے گلا گھونٹ کر ابدی نیند سلا دیا۔(مشکوٰۃ شریف)

ممکن ہے ان روشن دلائل کے بعد کوئی عادی زدہ کلین شیو یہ کہہ بیٹھے کہ چلیں صاحب صحابہ نے جو جو کیا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید تو حاصل ہو گئی۔آپ بعد کی کوئی دلیل لائیے کہ کسی کو توہین رسالت پر یہ سزا دی گئی ہو۔تو لیجئے قارئین کرام! دلائل حاضر ہیں ملاحظہ فرمائیے:

ا۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں والی یمن مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ نے گانوں میں توہین رسول کرنے والی ایک خاتون کے دانت بھی تڑوا دیئے اور اس کے ہاتھ بھی کٹوا دیئے۔جب یہ خبر تاجدار صداقت،خیر امت اور بعد الانبیاء افضل البشر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کاش تم ایسا نہ کرتے تو میں یقیناً اس کے قتل کا حکم دیتا۔(شفاء شریف)معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بھی شاتم رسول کی سزا قتل ہی ہے۔

۲۔ایک شخص امامت کرتے ہوئے توہین رسالت کی نیت سے سورۃ عبس کی ابتدائی آیات پڑھتا تھا۔جب تاجدار عدالت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے اس کی گردن اڑوا دی۔(روح البیان)

ایسے روشن اور کثیر دلائل کے بعد بھی اگر کوئی توہینِ رسالت کے مرتکب کی سزا "قتل" ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر اس دن کے لئے کوئی جواب سوچ لے جس دن مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کے سوا کہیں پناہ نہ ملے گی۔یہاں ایک اور شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے آپ کسی سے ذاتی انتقام لے کیسے سکتے ہیں۔قارئین کرام! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی حیثیت فقط ایک فرد کی نہیں بلکہ آپ کی ذات بابرکات تو اسلام،ایمان،قرآن بلکہ خود رحمٰن کی پہچان کا نام ہے۔جب ایسا ہے تو آپ کی بے ادبی دین کی بے ادبی بھی ہو گی

اور اسلام کی بھی۔ قرآن کی بھی اور خود رحمن کی بھی۔ کیا صدر پاکستان کی توہین کو پاکستان کی توہین نہیں سمجھا جاتا۔ اور کمرہ عدالت میں جج سے الجھنے کو توہین عدالت نہیں تصور کیا جاتا۔

یہاں پر ایک اور مغالطہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ کی توہین اسلام، ایمان، قرآن اور رحمن کی توہین ہے تو پھر آپ نے بعض لوگوں کو معاف کیوں کر دیا۔ جواب بڑا آسان ہے کہ آپ نے رب ذوالجلال کے دیئے ہوئے علم سے جس کے جرم کو قابل معافی سمجھا رب ذوالجلال کے دیئے ہوئے اختیار سے معاف فرما دیا۔ جس کا جتنا اور جس نوعیت کا جرم تھا آپ نے اس کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔ ہمیں اس میں پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔

یہاں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں کہ بعض حضرات اس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا البتہ جن لوگوں نے آپ کے مشن میں رکاوٹ ڈالی ان کو آپ نے کبھی معاف نہیں کیا حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ نے اپنے مشن کے مخالفین کے ساتھ ہمیشہ میدانِ جنگ میں مقابلہ و مقاتلہ کیا جبکہ اپنے ذاتی گستاخوں کو حکماً قتل کروایا۔ آپ کی ذات کی حیثیت اوپر واضح کی جا چکی ہے۔

جواب نمبر 3: تیسرے اعتراض کے جواب میں گزارش ہے کہ بیرونی دنیا کے ڈر سے کیا ہم ناموسِ رسالت کے تحفظ سے ہاتھ اٹھا لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو کھلی چھٹی دے دیں؟ بیرونی دنیا اگر کل ہم سے خدا کو ایک ماننے پر ناراض ہو جائے تو کیا ہم خدا کو ماننا چھوڑ دیں گے؟ دوسری بات یہ ہے کہ بیرونی دنیا اپنے قوانین کیا ہم سے پوچھ کر اور ہماری پسند و ناپسند کو سامنے رکھ کر بناتی ہے؟ نہیں نا! تو ہم کس اصول کے تحت ان کے جذبات کے پابند رہیں؟ تیسری بات یہ کہ ان کا اپنا کردار کتنا شفاف

ہے۔ عراق، فلسطین، افغانستان اور کشمیر میں جو کچھ بیرونی دنیا کر رہی ہے دہشت گردی وہ ہے نہ کہ ناموسِ رسالت کا تحفظ۔ جہاں تک پاکستان کے وقار کا تعلق ہے خاکم بدہن اس قانون کو ختم کر کے اگر گستاخوں کو کھلی چھٹی دے دی جائے اور گستاخیوں کو عام ہونے دیا جائے تو کیا پاکستان کا کھویا ہوا وقار بحال ہو جائے گا۔ ٹھنڈے دل سے سوچیے گا۔

جواب نمبر 4: چوتھے اعتراض کے بارے میں جان لیں کہ توہین کا اعتبار نیت پر نہیں الفاظ اور عرفِ عام میں ان کے مفہوم پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے والد صاحب کو گدھا کہہ دے اور والد صاحب کے پوچھنے پر کہے کہ میری نیت آپ کی توہین کرنا نہیں بلکہ آپ کی شرافت کا اظہار ہے۔ گدھا بھی شریف جانور ہے اور آپ بھی شرافت کا پیکر ہیں تو والد اس کی نیت کو دیکھے گا یا الفاظ کو۔ جب ماوشما کے لیے بولے جانے والے الفاظ ہی ہماری عزت یا ذلت کا فیصلہ کرتے ہیں نیت کا دخل نہیں مانا جاتا تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لیے کلیہ و قاعدہ اس سے جدا کیوں۔ نیز قرآنِ مجید و فرقانِ حمید سے بھی یہی اصول ملتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ''راعنا'' کے الفاظ کبھی بھی گستاخی کی نیت سے نہ کہے تھے لیکن رب العزت نے انہیں بھی یہ کلمہ کہنے سے منع فرما دیا۔ اسکے بعد اگر کوئی اچھی نیت سے بھی کہتا تو گستاخی ہی ہوتی حالانکہ یہ کلمہ تو فی نفسہٖ گستاخی والا تھا بھی نہیں۔ آج اگر کوئی گستاخانہ کلمات بھی کہہ جائے اور پھر نیت درست ہونے کی آڑ لے تو اسے کیسے معاف کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر نیت اور ارادے کی اچھائی برائی کو درمیان میں ڈال دیا جائے تو یہ گستاخوں کو ایک ہتھیار تھما دینے کے مترادف ہوگا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی گستاخی کرے گا اور پھر غیر ارادی طور پر ایسا ہو جانے کا عذر کر کے چھوٹ جائے گا۔

جواب نمبر 5: پانچویں اعتراض کے حوالے سے عرض ہے کہ توبہ کا معاملہ سمجھنے سے پہلے دو

اصطلاحات کا جان لینا ضروری ہے:

(۱)۔ لزومِ کفر (۲)۔ التزامِ کفر

لزومِ کفر کے معنی ہیں "کفر کا لازم ہو جانا" اور التزامِ کفر کے معنی ہیں "کفر کو اپنے اوپر لازم کر لینا" ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خود قائل کو اپنے ادا کردہ کلمات کے مفہوم کا پتہ نہ ہو۔ یہ لزومِ کفر کی صورت ہے۔ یعنی اس کے الفاظ تو کفریہ کہلائیں گے مگر اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اسے اس کے الفاظ کی حقیقت بتا کر توبہ کی طرف راغب کیا جائے گا۔ اگر اپنے الفاظ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے فوراً توبہ کر لے تو ٹھیک ہے۔ اور اگر ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے توبہ سے گریزاں رہے تو اس پر التزامِ کفر متحقق ہو جائے گا اور اب وہ کافر کہلائے گا اور سزا کا مستحق بھی ٹھہرے گا۔ اگر کسی شخص سے شانِ انبیاء میں عدمِ علم کی بنیاد پر کفریہ کلمات ادا ہو جائیں اور قوی دلائل وقرائن سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ قائل کو معانی کا علم نہ تھا تو ایسے شخص کو سمجھایا جائے گا اور توبہ ورجوع کا موقع دیا جائے گا۔ اگر توبہ ورجوع کرے تو بہتر ورنہ التزامِ کفر متحقق ہو جائے گا اور وہ شخص مرتد ہو کر واجب القتل قرار پائے گا۔

جہاں تک صریح اور واضح الفاظ میں توہین وگستاخی کے مرتکب کی توبہ کا تعلق ہے اس کی جمہور فقہا کے نزدیک توبہ نہیں اور وہ واجب القتل ہے جبکہ فقہا کے ایک محدود طبقے کے نزدیک اگر کوئی فی الواقع اپنے شنیع وقبیح فعل پر نادم ہو کر مائل بہ توبہ ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے گی تاہم سزا وہی رہے گی یعنی قتل ہی کیا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب سزا معاف نہیں تو توبہ کیوں کرائی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گستاخی کرنے والا اگر پہلے مسلمان ہو تو گستاخی کرتے ہی وہ مرتد ہو جاتا ہے اب نہ اسکی نمازِ جنازہ جائز رہتی ہے اور نہ کفن دفن۔ جب توبہ کرے گا تو اسکی مسلمانی واپس آجائیگی اور بعد از قتل اسکی نمازِ جنازہ

پڑھنا بھی جائز ہو جائیگی اور کفن دفن بھی۔ نیز اگر سچے دل سے توبہ کی ہوگی تو بروزِ حشر بھی کام آسکتی ہے۔

جواب نمبر 6: چھٹے اعتراض کی بابت التماس ہے کہ اگر کوئی کسی پر جھوٹا الزام لگاتا ہے تو عدالت کا کام ہے کہ صحیح صورتِ واقعہ تک پہنچے۔ حقیقتاً اگر الزام جھوٹا ہو تو الزام لگانے والے کے لئے بھی شریعت میں مفتری کی سزا موجود ہے۔ جھوٹا الزام لگانے والوں اور ذاتی دشمنی کی بنیاد پر 295-C کی آڑ لینے والوں کو قانونِ شریعت کے مطابق سرِ عام سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو۔ اس مسئلہ کا یہ حل نہیں کہ توہینِ رسالت کا قانون ہی بدل دیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ ہمارے تھانوں میں روزانہ کتنی جھوٹی FIR درج کرائی جاتی ہیں اور بے گناہوں کو گناہ گار ٹھہرایا جاتا ہے۔ تو کیا FIR درج کرنا ہی بند کر دیا جائے۔

جواب نمبر 7: ساتویں اعتراض کے حوالے سے یہ جان لیں کہ یہ تصور ہی غلط اور خود ساختہ ہے کہ یہ قانون صرف اقلیتوں کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کا اطلاق ہر اس فرد پر ہوتا ہے جو گستاخی کا مرتکب ہو اس کا تعلق چاہے اقلیت سے ہو چاہے اکثریت سے۔ مسلمانوں سے ہو یا غیر مسلموں سے۔ پاکستانیوں سے ہو یا غیر پاکستانیوں سے اور وہ فرد مرد ہو یا عورت۔

نیز یہ قانون ننگی تلوار نہیں بلکہ ننگی تلوار سے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اس قانون سے پہلے اگر کسی پر گستاخی کا الزام لگتا تو بغیر تحقیق کے اور ملزم سے کوئی وضاحت لئے بغیر ہر کوئی اس کی گردن اڑا دینے کے لئے تیار ہو جاتا۔ لیکن اب ملزم جب تک عدالت کے روبرو مجرم ثابت نہ ہو جائے سزا سے محفوظ رہتا ہے۔ اور لوگ بھی دست درازی سے باز رہتے ہوئے عدالتوں کا ہی رخ کرتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ قانون صرف جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی گستاخی و بے ادبی کرنے والوں کے لئے ہے۔

جواب نمبر 8: آٹھویں اعتراض کے متعلق گزارش ہے کہ اگر یہ قانون اس لئے قابلِ تنسیخ یا ترمیم ہے کہ جج صاحبان عوامی دباؤ کے پیشِ نظر درست اور مبنی بر انصاف فیصلہ نہیں کر سکتے تو پھر تو وہ سب قوانین بھی ختم کرنا پڑیں گے جن کا درست اور مبنی بر انصاف فیصلہ کرتے ہوئے کبھی رشوت کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو کبھی سفارش کا۔ کبھی دشمنی کا خوف آڑے آجاتا ہے تو کبھی کسی عزیز کی ہمدردی قلم کا رخ موڑ دیتی ہے۔ اور یہ بھی بتایئے گا کہ ان قوانین کا کیا کیا جائے جن کا درست فیصلہ سامنے آنے کے امکان پر یا تو جج کا تبادلہ کر دیا جاتا ہے یا انہیں برطرف کر دیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ عوامی دباؤ تلے دب کر درست فیصلہ نہ کر سکنا جج کی کمزوری یا غلطی تو ہو سکتی ہے قانون کی نہیں۔ لہٰذا جج کی اصلاح کے بارے میں سوچا جائے نہ کہ قانون کے بارے میں۔ نیم حکیم (ڈاکٹر) کے غلط علاج پر ڈاکٹر کا معاملہ سلجھانے کی بجائے ہسپتال بند کروا دینا کونسی عقلمندی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر جج (نہ صرف جج بلکہ ہر مسلمان) کوئی بھی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس عدالت کا تصور ذہن میں رکھ لیں کہ جس میں سب کے فیصلوں کا فیصلہ احکم الحاکمین نے کرنا ہے تو عوامی دباؤ ان شاء اللہ ایمانی بہاؤ میں بہہ جائے گا۔

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی ☆

غوث پاک کی گیارہویں

(شریعت کی روشنی میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولاً حضور سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا وصال شریف 561ھ میں 90 سال کی عمر شریف میں ہوا تھا (اخبار الاخیار صفحہ ۳۶)۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ماثبت من السنۃ میں وصال شریف کی تاریخ 11 ربیع الثانی لکھی ہے۔ ثانیاً آپ رحمۃ اللہ علیہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو نبی کریم ﷺ کو ایصال ثواب کرتے تھے (قرۃ الناظرہ صفحہ ۱۱)۔ اس مناسبت سے ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں شریف کے نام سے آپ کا عرس منانے کا مسلمانوں میں رواج چلا آ رہا ہے۔ اور ہر سال گیارہ ربیع الثانی کو بڑی گیارہویں شریف منائی جاتی ہے۔ ثالثاً گیارہویں شریف ایک اصطلاح ہے جس کی حقیقت حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ایصال ثواب ہے۔ اہل علم وفن اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت اگر دلائل سے ثابت ہو تو اصطلاح میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔ رابعاً مطلق ایصال ثواب کا جواز جب دلائل سے ثابت ہے تو گیارہویں شریف اسی ایصال ثواب کا ایک فرد ہے لہذا اس فرد کے جواز کے لئے الگ دلائل طلب کرنا جہالت ہے۔

خامساً شریعت میں ہر وہ کام جائز ہوتا ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی

☆) 0322-7110710، 0303-7931327

تمام اشیاء تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں (بقرۃ:۲۹)۔ تو گویا پیدا ہونے کے لحاظ سے ہر چیز ہمارے لیے قابل افادہ اور جائز الاستعمال ہے۔ البتہ ان جائز چیزوں میں سے جس چیز سے شریعت روک دے گی ہمیں رکنا پڑے گا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے قد فصل لکم ما حرم علیکم یعنی جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل ہم نے علیحدہ بیان کر دی ہے (انعام:۱۹۹)۔

تو گویا جن چیزوں سے منع کر دیا جائے وہ ممنوع ہو جائیں گی اور باقی چیزیں اپنی اصلیت پر قائم رہتے ہوئے جائز کی جائز رہیں گی۔ جب تک ان کے بارے شرعی حکم ممانعت کا نہ ملے ان سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

محبوب کریم ﷺ کی احادیث سے بھی یہی قاعدہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً

الحلال ما احل اللہ فی کتابه و الحرام ما حرم اللہ فی کتابه و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کہا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کہا اور جس سے خاموشی اختیار کی وہ معاف ہے (رواہ ابن ماجہ، ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۳۶۷)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ عن ابن عباس قال کان اهل الجاهلية یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبيه و انزل کتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل وهو حلال و ما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو و تلا قل لا اجد فيما اوحی الی محرما علی طاعم يطعمه الا ان يکون ميتة الايه یعنی جاہلیت کے زمانے میں لوگ کچھ چیزیں کھا لیتے تھے اور کچھ چیزوں سے نفرت کی وجہ سے انہیں نہیں کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا اور اپنی کتاب کو نازل فرمایا، اور حلال کو حلال قرار دیا اور حرام کو حرام قرار دیا۔ اب جس چیز کو اللہ نے حلال کہا وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کہا وہ حرام ہے۔ مگر جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ معاف ہے۔ پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت

تلاوت کی ۔فرمادو کھانے والا جو کھاتا ہے اس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل میں اپنے اوپر نازل ہوئی والی وحی میں نہیں پاتا سوائے اس جانور کے جو بغیر ذبح کئے مرجائے (ابوداؤد ،مشکوٰۃ صفحہ ۳۶۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے :ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرماۃ فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا و سکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا یعنی اللہ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں انہیں ضائع مت کرو اور کچھ چیزیں حرام کی ہیں ان سے دور رہو اور حدود قائم کی ہیں ان سے تجاوز مت کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھولا نہیں ،تم ان کے بارے میں بحث میں مت پڑو (دارقطنی ،مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے :ان اعظم المسلمین جرما من سئل عن شیء لم یحرم فحرم من اجل مسئلتہ یعنی مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جسے اللہ نے حرام نہیں کیا تھا، مگر اس شخص کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ چیز حرام کردی گئی (بخاری صفحہ ۱۰۸۲)۔

ان دلائل سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہو وہ مباح اور معاف ہے۔

تو گویا یہ مسئلہ طے پاگیا کہ ہر چیز اپنی اصلیت کے لحاظ سے مباح ہے۔ممانعت کے لئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔اب اس اصول اور قاعدۂ کلیہ کے عملی طور پر استعمال کی طرف آیئے۔گیارہویں شریف ،آذان سے پہلے یا بعد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا، کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنا، سوئم یا قل خوانی، چالیسواں ، بزرگوں کے عرس ، میلاد شریف کی محفل اور جلوس وغیرہ۔یہ سب چیزیں بنیادی طور پر مباح ہیں البتہ علماء واولیاء علیہم الرضوان کے عمل سے بعض چیزیں درجۂ استحباب کو پہنچ گئی ہیں (ما راہ المومنون حسنا فھو عند

الله حسن یعنی جس کام کو مومن اچھا سمجھیں وہ اللہ کو بھی اچھا لگتا ہے۔ رواہ محمد مرفوعاً صفحہ ۱۴۴)۔ لہٰذا ان چیزوں سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر کوئی منع کرے تو اسے ممانعت کی دلیل پیش کرنا ہوگی۔ تماشا تو یہ ہے کہ منکرین حضرات گیارہویں وغیرہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حرام کی تعریف تو یہ ہے کہ ما حرم الله فی کتابه یعنی جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہو (مشکوٰۃ صفحہ ۳۶۷)۔ لہٰذا ان حضرات پر لازم ہے کہ ان چیزوں کی حرمت ثابت کرنے کے لیے قرآن وسنت سے نص پیش کریں۔ ورنہ خود شارع بننے سے اجتناب کریں۔

آج ہر مکتبہ فکر کے لوگ طرح طرح کے جلسے کرتے رہتے ہیں۔ حکومتوں کے خلاف جلوس نکالتے رہتے ہیں۔ اپنے اپنے مدارس میں سالانہ تقسیم اسناد کے جلسے کرتے رہتے ہیں۔ کبھی مشکوٰۃ شریف کا افتتاحی جلسہ رکھ لیتے ہیں اور کبھی بخاری شریف کا اختتامی جلسہ رکھ دیتے ہیں۔ کبھی اپنے مرکزی مدارس کے صد سالہ جشن مناتے ہیں اور کبھی سیرت کے جلسے منعقد کرتے ہیں۔ کوئی اٹھ کر نبی کریم ﷺ کو امام اعظم لکھ دیتا ہے اور کبھی کوئی آپ ﷺ کو امام اہل حدیث کہہ دیتا ہے۔ کہیں ''امام اہل حدیث کانفرنس'' کے اشتہارات دیواروں پر چسپاں نظر آتے ہیں اور کبھی جہاد کانفرنس کے پوسٹر اور بینر آویزاں دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں حق چار یار کا نعرہ بلند ہو رہا ہوتا ہے اور کہیں تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کی گونج آ رہی ہوتی ہے۔

کیا کوئی صاحب عقل ان سب باتوں کو قرآن وسنت کی تصریحات سے ثابت کر سکتا ہے؟ یہ سارے کام کرنے والے ہمارے وہ دوست ہیں جو دن رات ہمیں میلاد شریف اور گیارہویں شریف سے منع کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ہم سے قرآن وسنت سے دلائل کا مطالبہ کیا جاتا ہے مگر خود ان دوستوں کے پاس مذکورہ بالا تمام کام کرنے کے جواز کے لئے نہ قرآن موجود ہے اور نہ حدیث۔

غور فرمائیے آخر یہ چکر کیا ہے؟ یہ خود کریں تو جائز اور اگر ہم کریں تو بدعت۔ جو باتیں ہم نے لکھیں ہیں اگر یہ جھوٹ ہے تو جھوٹے پر لعنت۔ اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو پھر یہ دوہرا معیار آخر کیوں؟

گیارہویں شریف میں کیا ہوتا ہے؟

گیارہویں شریف کی محفل میں تلاوت قرآن پاک، نعت شریف، درود شریف، اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کا ایصال ثواب ہوتا ہے۔ آپ دوبارہ دیکھ لیجئے مذکورہ بالا چیزوں میں سے ہر ایک چیز پر فرداً فرداً غور فرمائیے۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ناجائز نہیں۔ بلکہ ہر چیز محمود اور پسندیدہ ہے۔

قرآن کی تلاوت کے اچھی چیز ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے خود اپنی نعت سنا کرتے تھے۔ (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۰)

درود شریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے صلوا علیه وسلموا تسلیما یعنی میرے محبوب پر درود و سلام پڑھا کرو۔

نبی کریم ﷺ ہر سال دو قربانیاں کیا کرتے تھے ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر سال دو قربانیاں کیں۔ حضرت حنش رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ مجھے حضور ﷺ نے وصیت فرمایا تھی کہ دو قربانیاں دیا کرو ایک اپنی طرف سے اور دوسری حضور ﷺ کی طرف سے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۸)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر اپنی مرحومہ ماں کے نام کا کنواں کھدوایا۔ اور اس کنویں کا نام ''سعد کی ماں کا کنواں'' رکھا۔

یہی وہ سارے کام ہیں جو گیارہویں شریف میں ہوا کرتے ہیں۔ یعنی تلاوت،

نعت، درود شریف اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کا ایصال ثواب۔ الحمد للہ ہم نے ہر کام کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

گیارہویں شریف کی نسبت

ہمارے کچھ دوست کہتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ پھر گیارہویں شریف یا گیارہویں شریف کے چاول یا بکرے وغیرہ کو غوث اعظم کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے **انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ** یعنی اللہ نے تمہارے اوپر مردار خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز منع کر دی ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

چونکہ گیارہویں اور بکرا وغیرہ بھی غیر اللہ کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں لہذا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں یہ بھی خنزیر کی طرح حرام ہے۔ اب ایسے بکرے کو بے شک بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔ وہ پھر بھی حرام ہے۔ جس طرح کتے کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی وہ حرام ہی رہتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف گیارہویں یا بکرے کی نسبت مجازی ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چاول یا بکرے کا ثواب حضور غوث اعظم کے لئے ہے۔ جسے ایصال ثواب کرنا ہو اس کی طرف بکرے وغیرہ کی نسبت کر دینا جائز ہے۔ جس طرح حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر اسے اپنی ماں کی طرف منسوب کر دیا تھا۔

مجازی نسبت کی بے شمار مثالیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ مثلاً شفا دینے اور مردے زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف (آل عمران: ۴۹)۔

بیٹا عطا کرنے کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف (مریم: ۱۹)۔

پرورش کرنے کی نسبت ماں باپ کی طرف (بنی اسرائیل: ۲۴)۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان المساجد للہ (مسجدیں اللہ کی ہیں) مگر نبی کریم ﷺ کی مسجد کو مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ اب اگر وما اھل بہ کے عموم کو دیکھا جائے تو اسے نبی کی مسجد نہیں بلکہ اللہ کی مسجد ہونا چاہیے۔ اور شہر کا نام مدینۃ النبی نہیں بلکہ مدینۃ اللہ ہونا چاہیے۔

ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (یعنی میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں)۔ اس آیت شریفہ میں نماز، قربانی، زندگی اور موت کی مجازی نسبت بندے کی طرف ہے اور عبادت ہونے کے لحاظ سے اس کی نسبت اللہ کریم کی طرف ہے۔ اس آیت میں مجاز اور حقیقت کا بہترین امتزاج موجود ہے۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے۔ شعبان کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف مجازی ہے۔ ورنہ ہر مہینہ اللہ ہی کا مہینہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ (یعنی اے لوگو کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کے دکھاؤں؟ (ترمذی جلد ا صفحہ ۳۵، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۰۹)۔ اس حدیث شریف میں نماز کو نبی کریم ﷺ کی نماز کہا گیا ہے۔ یہ مجازی نسبت ہے۔

نبی کریم ﷺ ہر سال دو قربانیاں دیتے تھے اور ذبح کرتے وقت فرماتے تھے۔ محمد اور اس کی امت کی طرف سے بسم اللہ اللہ اکبر۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر یا اللہ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں دے سکتے (مشکوۃ صفحہ ۱۲۸)۔

اس حدیث پر غور فرمایئے ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اپنا اور اپنی امت کا نام بھی لیا ہے لیکن کیا کوئی شخص یہ بدگمانی کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے لہٰذا یہ جانور حرام ہے؟ یہاں

ہم اہلِ اسلام کے بارے میں بدگمانی سے کام لینے والوں اور انہیں زبردستی مشرک ثابت کرنے والوں کو للکارتے ہیں کہ جس طرح اس حدیث شریف کو سمجھنے کے لیے تطبیق، حسن ظن، معاملہ فہمی اور تمیز سے کام لیتے ہو اسی طرح محبوب کریم ﷺ کی امت کے بارے میں بھی تمیز سے کام لیجیے اور محض غیر اللہ کا لفظ آتے ہی شرک ، شرک کا واویلا کرنے کا خارجیانہ مظاہرہ بند فرمائیے۔ بخدا ہم پوری صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ حضرات نہ صرف علم سے بے گانہ ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حد درجہ کے کند ذہن بھی ہیں۔

اسی طرح ہم روز مرہ کی بول چال میں کثرت سے مجاز کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً فلاں کا گھر، فلاں کی بھینس، قربانی کے بکرے کو بھی فلاں آدمی کا بکرا کہا جاتا ہے۔ اسے خدا کا بکرا کوئی نہیں کہتا۔ اسی طرح فلاں کا بیٹا، فلاں کی بیوی۔ اب اگر ہر چیز ہر لحاظ سے خدا کی ہے تو پھر بیوی بھی خدا کی ہونی چاہیے۔ اور ہمارے نام نہاد موحد دوستوں پر ان کی بیویاں حرام ہونی چاہییں۔

وما اھل بہ لغیر اللہ کا صحیح مفہوم

اس آیت کا تعلق ذبح کرنے سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے مثلاً فلاں بزرگ یا پیر کے نام سے ذبح کرتا ہوں تو ایسا جانور حرام ہے۔

اس کے برعکس اگر جانور پر ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کا نام بولا جائے یا قربانی کے جانور پر قربانی دینے والے کا نام بولا جائے اور بعد میں ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا جائے تو یہ جانور بلاشبہ حلال ہے۔ اسے کتے سے تشبیہ دینا بہت بڑی گندگی اور تلبیس ہے۔ کتا پیدائشی حرام ہے۔ جب کہ بکرا پیدائشی حلال ہے۔ کتے اور کالے کوے پر بسم اللہ پڑھنے سے وہ حلال نہیں ہو سکتے جب کہ بکرے پر بسم اللہ پڑھنے سے بکرا

حلال ہو جاتا ہے۔

اس بات پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس آیت کا تعلق ذبح کرنے سے ہے۔ تفسیر قرطبی، جلد ۲ صفحہ ۲۱۹، تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۲، تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۱۱۲، تفسیر مدارک علی حاشی خازن جلد ا صفحہ ۱۱۲، تفسیر بغوی جلد ا صفحہ ۱۴۰، تفسیر بیضاوی جلد ا صفحہ ۱۰۰ اور تفسیر جلالین صفحہ ۲۴ الغرض تمام تر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کا تعلق ذبح کے وقت سے ہے۔ مثلاً تفسیر بیضاوی جو ایک درسی کتاب ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم یعنی ذبح کے وقت بت کا نام لینے سے جانور حرام ہو جاتا ہے۔ حتی کہ امام ابوبکر جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ! ''لا خلاف بین المسلمین انہ المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللہ عند الذبح ''۔ یعنی مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں وہ ذبیحہ مراد ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (احکام القرآن للجصاص جلد ا صفحہ ۱۲۵)۔

اس موضوع پر حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ'' حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کتاب میں سنی مسلک کو بخوبی واضح فرمایا ہے اور تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ضمناً بہت سے دوسرے مسائل پر بھی خوب بحث فرمائی ہے۔ یہ کتاب عام دستیاب ہے۔

دن مقرر کرنا: کسی بھی مباح یا مستحب کام کے لیے دن مقرر کر لینا جائز ہے اولاً تو اس سے شریعت نے منع نہیں کیا ثانیاً خود نبی کریم ﷺ ہر پیر کو نفلی روزہ رکھتے تھے (مسلم شریف جلد ا صفحہ ۳۶۸)۔ گویا روزے کا یہ دن مقرر تھا۔ آپ ﷺ ہر ہفتے کو مسجد قباء میں تشریف لے جاتے تھے (مسلم و بخاری)۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی آزادی کی (بقیہ صفحہ نمبر 17)

حسن عرباض محمد☆

تہذیبِ جدید کے گم راہ کن مغالطے
حق و باطل کے اختلاط کی گھناؤنی سازشیں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

جدید تہذیب نے جہاں ہمارے بہت سارے اَطوار کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے، وہاں اِس کی نحوست مسترہ سے ہمارے کچھ مستحکم اور مسلم اَفکار بھی متاثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اِس بے لگام تہذیب نے چند مفصول طرز کے ناہنجار تحائف بھی ہمیں عطا کیے ہیں، جنھیں ہمارا آزاد خیال (Liberal, Newtal) طبقہ حرزِ جاں بنائے ہوئے ہے۔ یہ وہی طبقہ ہے جس کی ترجیحِ اوّل دُنیا و مافیہا ہوتی ہے، دین کو وہ دُوسرے نمبر پر رکھتے ہیں اور ایک گروہ بے دینوں (Seculars) کا ہے، جس کا سرے سے دین کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ وہ تو اِس سے بہت آگے کی بات کرتا ہے، جب کہ ہیں یہ دونوں ہی ایک آوے کے برتن۔ ستم ظریفی یہ کہ دین کے خلاف کفر کی اِن گھناؤنی سازشوں کو یہ لوگ ”روشن خیالی“ کا نام دیتے ہیں اور اپنے تئیں مہذب ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

’مہذب‘ طبقے کے وہ اُصول یہ ہیں:

”کسی کو کچھ نہ کہو!“

”سب ٹھیک ہیں، کوئی غلط نہیں۔“

”جو جس طرف لگا ہے، ٹھیک لگا ہے۔“

”آپ حق بیان کر دو، باطل خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔“

☆) 0333-4792593

''کسی کو چھیڑو نہیں، اپنا چھوڑو نہیں!'' وغیرہ

اِن نظریات کو رائج کرنے کے لیے میڈیا کے زُود رساں اور زُود اثر ذرائع کو اِستعمال میں لایا جارہا ہے۔ چاروناچار ہر بیمار ایمان اور ناقص العقل کو انھیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ ظلم کی انتہا ہوگئی! جب کچھ حق پرستوں نے اپنی زندہ ضمیری کا ثبوت دیتے ہوئے باطل کی اس دعوت کو ٹھکرایا تو فراعین وقت نے قانون کے ڈنڈے کا ناجائز اِستعمال کرکے اُن کے وجود کو ٹھیس پہنچانے کی ناپاک کوشش کی، اگرچہ وہ اپنی اس جسارت میں اپنے اہداف مقاصد کو حاصل نہ کرسکے۔

نظریاتِ جدیدہ کو برحق ثابت کرنے کے لیے کئی ایک مجہول تاریخی واقعات سے دلیلیں پکڑی جاتی ہیں، کچھ حالیہ تقاضوں کو بھی عذر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، لیکن بعض ان دیکھے، اَن سنے اور اَن ہوئے مفروضے بھی قائم کرکے اُن سے مثالیں اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (یہ موضوع طویل تر تفصیل کا متقاضی ہے۔ اِن شاء اللہ آئندہ کسی موقع پر بیان کیا جائے گا)

اِن خانہ زاد خود ساختہ اُصولوں میں ہر غلط مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو امن کی آشا نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قوم کو انھی پر عمل درآمد کروا کر ہی تو ہر کوئی اپنے آپ کو اِحتساب کرنے والوں سے بچا سکتا ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ 'ہر کوئی' اپنے مقصد میں پورے طرح سے کام یاب ہے۔

لیکن کوئی سلیم الفطرت، کامل العقل شخص اِن ایسے منافقانہ اُصولوں کی کسی صورت اِجازت نہیں دے سکتا، کیوں کہ حق اور باطل دو الگ الگ وجود ہیں: ایک حق ہے اور ایک باطل اور اِن میں اِتحاد کسی طور ممکن نہیں ہے۔ یہی بنیاد ہے ''دوقومی نظریہ'' کی اور یہی اِسلام کا قانون ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ازل سے یہ فیصلہ رہا ہے کہ وہ حق وباطل کے درمیان ہمیشہ اِمتیاز

ظاہر فرمائے گا اور اُس نے اپنے فضل سے حق میں اِتنی طاقت رکھ دی ہے کہ اُس حق کی طاقت سے ہی باطل کو شکست دلوائے گا۔ وہ حق کو ظاہر کرے گا، لیکن باطل کو دفع بھی ضرور فرمائے گا۔ جہاں حق کا بول بالا فرمائے گا، وہاں باطل کا منہ کالا بھی فرمائے گا۔ حق میں باطل کی آمیزش اُسے قطعاً گوارا نہیں۔ حق کے ساتھ اُس کی تائید ہے، باطل پر اُس کی پھٹکار ہے۔ اُس نے اپنی کتاب فرقان میں کھلے لفظوں میں اپنا اٹل فیصلہ سنا دیا ہے۔

وہ فرماتا ہے:

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (پارہ:15 سورۃ الاسراء:81)

''حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔'' (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

اور فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ. (پارہ:9 سورۃ الانفال:8-7)

''اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت فرمادے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کردے۔''

اس نے اپنے نبی ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی ایک محبوب صفت قرآن میں یہ بھی بیان فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (پارہ:26 سورۃ الفتح:29)

''ان (محمد ﷺ) کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔''

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

پھر اللہ جل شانہ ''قرآن کریم'' میں اپنی ایک پسندیدہ قوم کا تذکرہ فرما کر اُن کا وصفِ عالی یوں بیان فرماتا ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (پارہ:6 سورۃ المائدۃ:54)

''مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔'' (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

آخر میں قصہ تمام کر دیا۔ فرمایا:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ (پارہ:30 سورۃ الکافرون:6)

''(اے قومِ کفار!) تمھارے لیے تمھارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔''

اب فیصلہ کیجیے! قرآن نے تو جہاں احقاقِ حق کیا ساتھ ہی ابطالِ باطل بھی کر دیا۔ تو وہ تعلیم کیوں کر دُرست ہو سکتی ہے، جو سراسر قرآن کے خلاف ہو؟...... پتہ چلا کہ حق کو حق کہہ کر اور باطل کو باطل کہہ کر ہی جان چھوٹے گی، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں!!!

پھر اس نئی تہذیب کا ناس ہو، اس نے تو ہمیں یہ پٹی بھی پڑھا دی:

''کافر کو کافر نہ کہو! (ہوسکتا ہے، وہ بعد میں مسلمان ہو جائے)''

یعنی پھر تو مسلمان کو مسلمان بھی نہ کہو! (ہوسکتا ہے، زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں وہ -معاذ اللہ- کافر ہو جائے) اور اسی طرح دیگر مذاہب والوں کو بھی!

لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جس جس جگہ کافر کو مخاطب کیا، 'کافر' ہی کہا اور مسلمان کو مخاطب کیا، تو 'مسلمان' ہی کہا اور ویسے بھی ہمارا سوال ہے کہ 'کافر' کو 'کافر' نہیں کہیں گے، تو پھر کیا کہیں گے؟ شاید جواب یہ ہو کہ ''انسان کہیں گے۔''

جی ہاں! یقیناً یہی جواب ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ آج کل انسانیت کا نام لے کر مذہب کی پہچان ختم کی جا رہی ہے۔ اسی لیے تو یہ نعرہ لگایا جاتا ہے:

''انسانیت پہلے، مذہب بعد میں!''

مگر بحمد اللہ و بفضلہٖ تعالیٰ ہم مسلمانوں کے لیے سب سے پہلے مذہب ہے، کیوں کہ مذہب ہی مقامِ انسانیت سے صحیح طرح رُوشناس کراتا ہے۔

اور سنیں...... کہ اس قول کا وِرد کرنے والے خود اپنے ہی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ ''کافر کو......'' میں کافر کس کو کہا جا رہا ہے؟ اُسی کو تو...... جس کو کافر نہ کہنے

کا کہا جا رہا ہے۔ یعنی خود کافر کہیں، لیکن اوروں کو منع بھی کریں۔ واہ! یہ کیسی دانش مندی ہے!

اور لطیفہ یہ ہے کہ تہذیب جدید کی 'ٹھوس ذہنیت' کی کھوکھلاہٹ اسی سے آشکارا ہو جاتی ہے کہ اِس فکر کا درس دینے والے اپنے نہ ماننے والوں کو اپنے ہی اُصولوں کے برعکس 'متعصب'، 'محدودُ الذہن' اور 'قدامت پرست' ہونے کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔ ہم اِس تہذیب کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ! جب کوئی غلط ہے ہی نہیں، سب ٹھیک ہیں، تو پھر نہ ماننے والے کیسے غلط ہو گئے!!...... اور اگر کوئی غلط ہے بھی، تو بس آپ حق بیان کر دو، باطل خود ہی ختم ہو جائے گا!!!   یہ ہے اِس سوچ کی اصلیت!......!!!

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دینِ اسلام کے ابدی اُصول جو ہمیں بتا دیے ہیں، وہی پختہ اور غیر متزلزل اور قیامت تک کے ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ اُن کو اپنانے میں ہی ہم سب کی بھلائی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس قسم کے جتنے گمراہ کن نظریے اختراع کیے جا رہے ہیں، جن کے باعث اُمتِ مسلمہ 'تصلُّب فی الدین' جیسی قیمتی نعمت سے محروم ہو رہی ہے، جبھی تو دین ایک 'ستا مال' بن چکا ہے، آخر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسے خطرناک پروپیگنڈوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟

تو سنیے! ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ ایسی تمام قسم کی سازشیں تیار کرنے والے اور کوئی نہیں، صرف اور صرف مرزائی، قادیانی اور دوسرے بدعقیدہ فرقے ہیں، جو کفر کی ملی بھگت سے یہ مشن پھیلا رہے ہیں۔ یہ لوگ صیہونی اور دیگر طاغوتی طاقتوں کے دستِ شفقت کے نیچے پلتے بڑھتے ہیں، اُن کی شہ پر سازشیں تخلیق کرتے ہیں اور انھی کے آشیرباد سے اسلام کی جڑیں کاٹتے ہیں۔ اِن کی سب سے بڑی چال یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو 'مسلمان' کہتے ہیں، جب کہ درپردہ کفر کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں۔

اب کچھ تھوڑا سا مغربی تعلیم کے نتائج پر بھی بات کر لیجیے! یہ مفلوج تعلیم بھی کیا گل کھلا

رہی ہے۔ سر سیّد احمد خاں (علی گڑھی) جنھیں برِ عظیم پاک و ہند میں علم و شعور و انقلاب کا خدا مانا جاتا ہے، ذرا دیکھیے! وہ قوم کو مرزائیت (جو اِس وقت پورے عالمِ اِسلام اور تمام سچے مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہیں) کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے متعلق کیا سبق دے رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیچھے لوگ کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ان کو اِلہام ہوتا ہے، بہتر! ہم کو اِس سے کیا فائدہ؟ نہ ہمارے دِین کے کام کا ہے، نہ دُنیا کے۔ اُن کا اِلہام اُن کو مبارک رہے۔ اگر نہیں ہوتا اور صرف ان کے توہمات اور خللِ دماغ کا نتیجہ ہے، تو ہم کو اس سے نقصان نہیں ہے۔ وہ جو ہوں، سو ہوں، اپنے لیے ہیں۔''

(خطوطِ سر سیّد مرتبہ سیّد راس مسعود صفحہ 256)

'سرجی!' کیوں مخلوط فکر سے افرادِ ملت کو مخنث بنا رہے ہیں!

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب اور اُن کے ساتھ ساتھ ہر کس و ناکس کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ آزادانہ جو چاہے، کرتا پھرے۔ باطل سوچ والا اپنے کفر کی کھلے عام تبلیغ کرے، مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کریں، اللہ و رسول کی گستاخی کریں، قرآن و حدیث کی توہین کریں، شعائرِ اِسلام کا مذاق اُڑائیں، دِینِ اِسلام کی دھجیاں بکھیریں اور دُنیا کا کوئی بداصل بدنسل اِسلام کے ساتھ کچھ بھی سلوک کرے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے خلاف آواز اُٹھائیں۔ وہ کھلے بندوں اپنا مشن جاری رکھے، ہم اُس کی راہ کے کانٹے نہیں بنیں گے۔

بتائیے! کس قدر ہول ناک اور بھیانک نتائج نکلیں گے، جب اہلِ حق باطل سے سبک دوشی کی راہ اِختیار کرلیں گے۔

خبردار مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) کی ذمہ داری

سونپی ہے، ساتھ ہی نہی عن المنکر (برائی سے منع کرنا) کا حکم بھی دیا ہے۔ ارشاد ہے:

1- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (پارہ:4 سورۃ النساء:104)

”اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُری سے روکیں!“ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

2- كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (پارہ:4 سورۃ النساء:110)

”تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو۔“ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

'سر صاحب' کی بات اگر مانی جائے، تو اِن میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں ہوتا۔ یعنی نہ کسی کو یہ بتاؤ کہ وہ جو کہتا ہے، غلط ہے! نہ یہ کہو کہ یہ صحیح ہے، اِس کو مان لو! بس سنتے رہو خاموشی سے! اور اپنوں کو بھی سچائی نہ بتا کر جہنم کے گڑھے میں دھکیل دو!!!!

سچ فرمایا گیا ہے:

اَلْمُتَكَلِّمُ بِالْبَاطِلِ شَيْطَانٌ نَاطِقٌ وَ السَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَسُ۔

”گمراہی والی بات کہنے والا بولتا شیطان ہے اور حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔“

جو شخص اِس گمراہی بھرے دور میں حق و باطل کو پہچاننا چاہتا ہو اور اُن میں فرق نہ کرسکتا ہو، تو ہم سے سنے کہ اِسلام سچا دین ہے اور اہلِ سنت سچا مسلک ہے۔ اب بھی اگر کسی کا دل مطمئن نہیں ہوتا، تو وہ اِس دُعا کو کثرت سے پڑھے، جسے اللہ کے نبی ﷺ پڑھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ خود ہی سچے دین و مسلک کی طرف راہ نمائی فرمادے گا۔ دُعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الْحَقَّ حَقًّا وَ ارْزُقْنِی اتِّبَاعَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنِی اجْتِنَابَہٗ.

''اے اللہ! ہمیں حق کو حق کی اصل صورت میں دکھا اور اُس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور اے اللہ! ہمیں باطل کو باطل کی اصل صورت میں دکھا اور اُس سے دُور رہنے کی توفیق عطا فرما!''

بعض دینی حلقوں سے معذرت کے ساتھ!

اعتدال ہر معاملے میں احسن ہے، سب کچھ بھول کر کسی معاملے میں اِنتہا کو پہنچ جانا عقل مندی کی بات نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام اس نہج پر کیا جاتا ہے، وہ بہتر طریق پر انجام پذیر ہوتا ہے اور اُس کے نتائج بھی دیرپا ہوتے ہیں، لیکن جو کام اِس ڈگر سے ہٹ کر کیا جائے، اوّل تو وہ پورا نہیں ہوتا اور اگر پورا ہوتا بھی ہے، تو اُس کا وجود جز وقتی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کئی مذہبی حلقوں کے یہ حالات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جس طرح آزاد خیال طبقے کے لوگوں نے اپنا سارا کا سارا زور اِس بات پر لگایا ہوا ہے کہ ہر دُنیاوی معاملے میں دین سے گنجائشیں نکالنا اور جہاں دین کی بات آجائے وہاں سے کنی کترانا، یعنی اپنا نیز دوسروں کے ایمان کا بیڑا غرق کرنا! عکس، چند مذہبی افراد غلو کرتے ہوئے اپنی تمام قسم کی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر اِختلافات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اپنا کل وقت، سرمایہ اور طاقت؛ سب کچھ اِس اِختلاف کو ہوا دینے میں صرف کیے جا رہے ہیں۔ اُن کی نظر میں اِختلاف (درحقیقت ''دنگا فساد'' اور ''کسی بات پر متفق نہ ہونا'' جسے وہ اِختلاف کا نام دے کر اپنے خیال میں مذہبی ارمانوں کو پورا کر رہے ہوتے ہیں) سے اہم اِس دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ اِسی باعث تو ہمارے اکثر عوام عمر بھر اپنے ہی عقائد سے اصلاً ناواقف رہتے ہیں، حتیٰ کہ خود بعض مبلغین بھی اپنے عقائد کی کما حقہ ترجمانی نہیں کر پاتے اور اگر کرتے بھی ہیں، تو طویل عرصہ کے تسلسل تجارب کے بعد انھیں یہ گر حاصل ہوتا ہے، تب تک بہت

سوں کی فکر زنگ آلود ہو چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر مبلغ، مقرر، مدرس کو اپنے پاکیزہ منصب کی قدر پہچان کر یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اگر اُن کی اچھی بات کسی کے لیے دُنیا و آخرت میں نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے، تو اُن کے منہ سے نکلا ہوا کوئی ایک غیر محتاط لفظ یا غیر مناسب رویہ کسی سامع متعلم کو ہدایت و گمراہی کے دوراہے پر لا کھڑا کر سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں حق و باطل کے متعلق وہی اسلام والا دو ٹوک موقف رکھ کر اعتدال، سنجیدگی اور حکمت عملی کے ساتھ اس گراں بار ذمہ داری کو نبھانے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے قرآنی نبوی سلفی دعوت کے اُصولوں کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے۔ و باللہ التوفیق!

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

بقیہ (تذکرہ مولانا پیر محمد اشرف نقشبندی علیہ الرحمہ)

بڑی مشکل سے آپ نے پڑھائی۔ عید کے دن ہی گاؤں کی تمام مساجد کے لیے پانچ پانچ سو روپے دیئے۔ علاج معالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا۔ لہٰذا آپکو راولپنڈی لے جایا گیا۔ علاج تو ہوتا رہا مگر علالت زور پکڑتی گئی۔ آخر 74 سال کی عمر میں 10 مارچ 1998ء بمطابق 10 ذیقعد 1418ھ کو واصل الی اللہ ہو گئے۔ آپ کے انتقال کا سن کر علماء و مشائخ اور عوام الناس کا انبوہ کثیر امڈ آیا۔ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ موہڑہ شریف پیر اولیاء بادشاہ فاروق نے جنازہ پڑھایا اور آپکو مسجد غوثیہ سے ملحقہ جگہ پر دفن کیا گیا۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے آپکے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ بڑے صاحبزادے محمد عتیق الرحمن صاحب انگلینڈ میں اور مولانا محمد عمر فاروق صاحب گاؤں میں دین متین کی اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال گنڈاکس میں مارچ کے آخر یا اپریل کے شروع میں منایا جاتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

افضل شاہد اعوان ☆

تذکرہ مولانا پیر محمد اشرف نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ زندگی بھر اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ جب اس دنیا سے چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر لوگوں کی زبان پر جاری فرما دیتا ہے۔ایسے ہی مطیع وفرمانبردار بندوں میں ایک ہستی رئیس المتقین صوفی باصفا حضرت مولانا پیر محمد اشرف نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کی ہے۔

مولانا پیر محمد اشرف صاحب 1924ء میں قصبہ لطیفال تحصیل وضلع چکوال میں پیدا ہوئے آپکے والد ماجد کا اسم گرامی میاں محمد امین تھا جو کہ ایک نیک و پارسا آدمی تھے۔مولانا صاحب ابھی دو سال کے ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔والد کے وصال کے بعد آپ کی والدہ محترمہ آپ اور آپ کے بڑے بھائی میاں احمد دین کو ساتھ لے کر اپنے والدین کے ہاں گنداکس آ گئیں۔یہاں اپنے نانا صوفی خدا بخش کے ہاں پرورش پانے لگے۔پرائمری تک تعلیم گنداکس کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔قرآن پاک اپنے نانا محترم سے ہی پڑھا۔دینی تعلیم گاؤں کے مختلف علماء کی صحبتوں میں رہ کر حاصل کی اور اس کے ساتھ دینی کتب کا مطالعہ جاری رکھا۔بہت ہی وسیع المطالعہ تھے۔ضرورت کے جملہ مسائل کے بارے میں بحسن وخوبی آگاہ تھے۔

آپ نے شروع ہی سے گاؤں کے بچوں اور بچیوں کو قرآن پاک پڑھانا معمول بنا لیا تھا۔بعد ازاں اسے باقاعدہ ایک مدرسہ ''تدریس القرآن'' کا نام دے دیا۔آپ نے تادم آخر اس سلسلہ کو قائم رکھا۔آخری عمر میں کچھ بچوں کو قرآن پاک حفظ کرانا شروع کر دیا۔ابتدا میں مدرسہ ''تدریس القرآن'' کا قیام اپنی اقامت گاہ پر ہی فرمایا لیکن خواہش تھی

☆0300-9129852

کہ کسی دوسری جگہ پر باقاعدہ مدرسہ کی عمارت بنائی جائے۔ 6 مارچ 1987ء کو آپ نے گاؤں کی شمالی جانب 5 کنال کا رقبہ اس مقصد کے لیے خریدا۔ ابھی اس کی تعمیر کے لیے وسائل میسر نہ آئے تھے کہ مسجد غوثیہ کے ساتھ ملحقہ حویلی خرید لی۔ آپکی زندگی میں تو اس کی تعمیر کا کام شروع نہ ہو سکا لیکن آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے صاحبزادگان نے اس کی تعمیر مکمل کی۔ آج اللہ کے فضل و کرم سے ایک عالی شان مسجد اور مدرسہ کی خوبصورت عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ اب مدرسہ کا نام "تدریس القرآن" سے تبدیل کر کے "اشرف المدارس" رکھ دیا گیا ہے جو کہ مولانا محمد اشرف علیہ الرحمہ کے نام سے موسوم ہے۔

محافل کا قیام:

آپ مختلف مواقع پر دینی محافل کا انعقاد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس حوالے سے مولانا عبدالغفور صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"1945ء سے جلسہ منعقد کرنے کا بوجھ کندھوں پر رکھا ہوا ہے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جل مجدہ اور حبیب رب الاعلیٰ ﷺ کو راضی رکھنے اور مخلوق خدا کو بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراط مستقیم پر چلانے کے لیے محافل قائم کی جاتی ہیں۔ ماہ محرم الحرام میں شہید کربلا، ماہ ربیع الاول میں عید میلاد النبی ﷺ، ماہ ربیع الآخر میں عرس محبوب سبحانی غوث الاعظم جیلانی خصوصاً ہر ماہ گیارہویں شریف، ماہ رجب المرجب میں معراج مصطفےٰ ﷺ، ماہ شعبان میں شب برأت، ماہ رمضان المبارک میں شب قدر کے نام سے محافل قائم کی جاتی ہیں"۔

جلسہ جلوس عید میلاد النبی:

حضرت مولانا محمود اشرف علیہ الرحمہ کو نبی کریم ﷺ سے خصوصی عشق تھا اور یہی ان کی زندگی کا سب سے اعلیٰ سرمایہ حیات تھا۔ اس محبت و عقیدت کا یہ تقاضا تھا کہ آقا کریم ﷺ کا یوم ولادت تزک و احتشام سے منایا جائے۔ چنانچہ آپ علیہ الرحمہ عید میلاد

النبی ﷺ کو خصوصی اہتمام کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے مناتے تھے۔ حضرت صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اپنے پورے علاقے میں سب سے پہلے آپ نے عید میلاد النبی ﷺ کا جلسہ شروع کیا۔ بعد ازاں آپ کی پیروی میں علاقہ بھر میں جلسے منعقد ہونے لگے۔ شروع میں صرف جلسہ ہوتا تھا لیکن حضرت صاحب نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عید میلاد النبی ﷺ کے جلوسوں کا بھی آغاز خود اپنی زندگی میں ہی فرما دیا تھا۔

1980ء میں پہلی دفعہ ایک عظیم الشان جلوس کا اہتمام فرمایا۔ آپ ناسازی طبع کے باوجود بھی خود جلوس کی قیادت فرماتے اگر طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو موٹر سائکل پر بیٹھ کر قیادت فرماتے۔ یہ حضرت صاحب کا ہی فیض ہے کہ اب گردونواح کے دیہات میں بھی جلوس نکل رہے ہیں۔

بدمذہبوں کا ردّ:

آپ عقائد کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ اس حوالے سے کسی سے رورعایت نہیں فرماتے تھے۔ اپنی تقریروں میں ہمیشہ ہی بدمذہبوں کے عقائد کا ردّ فرمایا کرتے تھے اور اپنا عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑی عمدگی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ جہاں بھی کوئی خرابی دیکھتے ڈٹ کر اس کی مخالفت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اللہ کے فضل و کرم سے پورے علاقے میں صرف ہمارا گاؤں گنڈاکس بدمذاہب کے زہر سے محفوظ ہے۔ حالانکہ گردونواح کے تمام دیہات اس کا شکار ہو چکے ہیں۔

بیعت وخلافت:

مولانا محمد اشرف نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ نے کھنوال شریف میں حضرت پیر سید فتح حیدر شاہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ کو خلافت سے نوازا گیا۔ آپ ہر سال گاؤں میں اپنے پیرومرشد حضرت پیر سید فتح حیدر شاہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کا عرس پورے تزک واحتشام کے ساتھ منایا کرتے تھے۔ جس میں مقامی

آبادی و گردو نواح کے علاوہ دیگر شہروں سے عوام الناس کی ایک کثیر تعداد شرکت فرماتی تھی۔

زہد و تقویٰ:

آپ شریعت مطہرہ کے مکمل طور پر پابند تھے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی تو کجا نوافل کی ادائیگی بھی پورے اہتمام سے کرتے تھے۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ سات سال کی عمر سے لے کر وصال تک آپ کے ذمے کوئی نماز باقی نہ تھی۔ رمضان المبارک میں ہمیشہ اعتکاف کا اہتمام فرماتے اور تقریباً 50 سال اس سعادت سے بہرامند ہوتے رہے۔

بطور سیاسی رہنما:

آپ نے اہل سنت کی نمائندہ سیاسی جماعت ''جمعیت علمائے پاکستان'' میں بھی شمولیت اختیار فرمائی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں 1964ء میں آپ بھاری اکثریت سے بی۔ڈی ممبر بھی منتخب ہوئے۔ زکوٰۃ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ ''گنڈاکس'' کا نام چونکہ غیر اسلامی سا ہے اس لیے آپ نے گاؤں کا نام ''مصطفےٰ آباد'' درج کرنے کے لیے کاوشیں بھی کیں لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔

روحانی معالج:

بطور روحانی معالج آپکا کافی شہرہ تھا۔ آسیب زدہ اور دیگر طرح طرح کی بیماریوں کے مریض قرب و جوار سے آپکے پاس حاضر ہوتے اور شفایاب ہوتے نہ صرف عوام الناس بلکہ علماء و مشائخ بھی آپ کے اس کمال کے معترف تھے۔

آخری ایام اور وصال:

1998ء میں رمضان کے آخری دنوں میں آپکی طبیعت ناساز ہوگئی نماز عید بھی

بقیہ صفحہ نمبر (65) پر

ازقلم: فیصل خان☆

(قسط نمبر 1)

منحة الحی فی کشف ظلمات زبیر علی زئی

ترک رفع یدین کے مسئلہ میں راقم نے غیر مقلد عالم حافظ زبیر علی زئی صاحب کی کتاب "نور العینین" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراضات کا جواب اپنی کتاب "رفع یدین کے موضوع پر نامور غیر مقلد زبیر علی زئی کی کتاب کا محققانہ تجزیہ" لکھی۔ مگر حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اپنے ماہانہ رسالہ الحدیث شمارہ نمبر ۶۷ اور شمارہ نمبر ۶۹ میں میری کتاب کے جواب میں دو اعتراضاتی مضامین لکھے۔ راقم نے ان دونوں مضامین کا جواب اپنی دوسری کتاب "مسئلہ ترک رفع یدین پر غیر مقلد زبیر علی زئی کے اعتراضاتی مضامین کا جواب" میں دیا۔ مگر پھر دوبارہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کتاب کا جواب "انوار الطریق فی رد ظلمات فیصل الحلیق" انٹرنیٹ پر شائع کرایا۔ اس کتاب میں حافظ زبیر علی زئی صاحب نے جس قسم کی نازیبا زبان استعمال کی اس سے انکی اخلاقی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جواب میں راقم سخت الفاظ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ مگر اپنے اساتذہ کی تربیت کی وجہ سے میں ادب کا دامن تھامے رکھوں گا۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اپنی کتاب میں عوام الناس کو جو مغالطہ دینے کی کوشش کی ان کی نقاب کشائی حاضر ہے۔

1: تدلیس کے مسئلہ پر حافظ صاحب نے انوار الطریق صفحہ 7 پر ایک سرخی "اصول الحدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم" دی ہے۔ اور اسکے تحت لکھا ہے!

"اصول حدیث کا مشہور اور معروف مسئلہ ہے کہ مدلس راوی (یعنی جس کا مدلس

☆) 0321-5501977

ہونا ثابت ہو) کی عن والی روایت ناقابل حجت یعنی ضعیف ہوتی ہے"۔

اور پھر اپنی کتاب کا حجم اور عوام الناس پر رعب ڈالنے کے لئے ۴۰ محدثین کرام کے حوالے دیے ہیں۔

جواب :(۱) پہلی عرض تو یہ ہے کہ ان حوالوں کا انکار کس نے کیا ہے؟ اور جو اصول ثابت کرنے کے لئے آپ نے ۴۰ حوالے دیے ہیں۔ ان حوالہ جات کا انکار اور رد آپ نے خود تخصیصات اور استثناء کے نام پر انوار الطریق صفحہ ۲۰، ۲۱ کیا ہے۔ ان ۴۰ حوالہ جات کو پیش کرنے کے بعد زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں!

''جسطرح بعض اصول وقواعد میں تخصیصات ثابت ہوجانے کے بعد عام کا حکم عموم پر جاری رہتا ہے اور خاص کو عموم سے باہر نکال لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس اصول کی بھی کچھ تخصیصات ثابت ہیں"۔

پھر مزید آگے صفحہ ۲۰ اور صفحہ ۲۱ پر چند تخصیصات لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(i) صحیحین میں تمام مدلسین کی تمام روایات سماع یا معتبر متابعت وشواہد پر محمول ہیں۔

(ii) مدلس کی اگر معتبر متابعت یا قوی شاھد ثابت ہوجائے تو تدلیس کا اعتراض ختم ہوجاتا ہے۔

(iii) بعض مدلسین کی روایات بعض شاگردوں کی روایت میں سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ مثلاً شعبہ کی قتادہ، اعمش اور ابو اسحاق السبیعی سے روایت، شافعی کی سفیان بن عیینہ سے روایت اور یحییٰ بن سعید القطان کی سفیان ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہیں۔

(iv) بعض مدلسین بعض شیوخ سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ مثلاً ابن جریج عطا بن ابی رباح سے اور ہشیم حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی معنعن روایات بھی سماع پر محمول ہیں۔

(v) اسی طرح اگر کوئی اور بات دلیل سے ثابت ہوجائے تو وہ بھی قابل قبول ہے۔

قارئین کرام! ملاحظہ کریں کہ زبیر علی زئی صاحب نے جو اصول ثابت کرنا تھا اس اصول کو انہوں نے خود 5 تخصیصات کر کے اپنے ہی دعویٰ کی نفی کر دی ہے۔ آپ کو یہ ذہن نشین رہے کہ مدلس کی ہر عن والی روایت ضعیف نہیں ہوتی کیونکہ دیگر قرائن اور شواہد اور تخصیصات بھی مدنظر رکھنی ہوتی ہیں۔ لہٰذا غیر مقلد زبیر علی زئی صاحب ہر جگہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول کہ ''پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے (کتاب الرسالہ فقرہ: ۱۰۳۵) جو پیش کرتے ہیں۔ اس قول کی تخصیصات ثابت کر دیں۔ اور امام شافعی کے اصول کی تخصیص کر دی۔

راقم کا بھی یہی کہنا تھا کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب بار بار امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے مطلقاً استدلال کرتے ہیں وہ بالکل غلط اور مردود ہے بلکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس اصول سے محدثین کرام متفق نہیں بلکہ خود امام شافعی نے اپنے اصول کو اپنی کتاب الرسالہ میں بھی لاگو نہیں کیا۔ ہم آگے چل کر امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس قول کا تفصیلی جائزہ پیش کریں گے۔ مگر فی الوقت امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول کو زبیر علی زئی صاحب خود مطلقاً نہیں مانتے بلکہ جزوی طور پر اس کا اقرار کرتے ہیں۔

مزید یہ کہ حافظ صاحب نے تخصیصات میں نمبر ۵ کے تحت جو لکھا ہے کہ ''اسی طرح اگر کوئی اور بات دلیل سے ثابت ہو جائے تو وہ بھی قابل قبول ہے''۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے کیونکہ یہ ایک وسیع اور گہری بات ہے۔ جس کا ایک مفہوم بڑا ظاہر ہے کہ اگر کسی اور دلیل سے تدلیس نہ کرنا ثابت ہو تو اس روایت کو بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

مزید یہ کہ جس طرح تحقیقی میدان میں زبیر علی زئی صاحب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے اصول میں تخصیصات ثابت کر سکیں اسی طرح ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم بھی اصول الحدیث اور اقوال محدثین و علماء کرام کی روشنی میں امام شافعی کے اصول میں کچھ تخصیص ثابت کر سکیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین کرام کی مدلسین کی طبقاتی تقسیم۔

(ii) ائمہ کرام کے اقوال سے قلیل التدلیس کی تدلیس قبول کرنا۔

(iii) تدلیس کی مختلف صورتوں کے مختلف احکام

(iv) ثقاہت سے تدلیس

(v) طویل رفاقت ہونا۔

(vi) مخصوص اساتذہ سے تدلیس

(vii) خاص شاگردوں کا مدلس سے روایت۔

(viii) جلالت علمی

(ix) محدثین کرام کا معنعن قبول کرنا۔

(x) تلقی بالقبول

اور میں یہ بھی عرض کردوں کہ ان تخصیصات کے علاوہ عرب محقق ڈاکٹر عواد الخلف نے اپنی کتاب ''روایات المدلسین فی البخاری'' صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۳۱ تقریباً ۳۳ کے قریب اصول اور ضوابط لکھے ہیں جس کی وجہ سے مدلسین کی روایت قبول ہے۔

میں نے جو مندرجہ بالا ۸ تخصیصات ثابت کیں ہیں۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث میں سفیان ثوری کو تخصیص نمبر (i)، (ii)، (viii)، (ix) اور (x) حاصل ہے۔ حالانکہ ایک تخصیص بھی ثابت ہونے سے روایت صحیح ہوتی ہے

اب مزید یہ تحقیق کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سفیان ثوری کو غیر مقلد زبیر علی زئی کی پیش کردہ کن تخصیصات سے تخصیص حاصل ہے۔ زبیر علی زئی نے انوار الطریق صفحہ ۱۲ پر تخصیص نمبر ۵ کے تحت لکھا ہے کہ۔ ''اسی طرح اگر کوئی اور بات دلیل سے ثابت ہوجائے تو وہ بھی قابل قبول ہے۔

اس بات کو مزید مزین کرنے کے لیے محدث ابن رشید الفہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں!

"اما من عرف بالتدليس فمعرفته بذلك كافية في التوقف في حديثه حتى يتبين الأمر" (السنن الابین ص ۶۶)

ترجمہ: مگر جو تدلیس کے ساتھ معروف ہو تو یہ معلوم ہو جانا اس کے لئے کافی ہے کہ اس کی حدیث میں توقف کیا جائے الا کہ یہ معاملہ واضح ہو جائے۔

اب ہم زبیر علی زئی کے تخصیص نمبر ۵ سے اور محدث ابن رشید الفہری کے حوالہ سے معاملہ واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آج تک متقدمین اور محدثین کرام نے اس ترک رفع یدین والی حدیث پر دیگر الزامات تو وارد کئے مگر کسی ایک محدث نے بھی اس حدیث پر سفیان ثوری کی تدلیس کا الزام وارد نہیں کیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ ہر دور میں زیر بحث رہا ہے۔ لہٰذا عبدالرحمٰن معلمی میرے علم میں وہ پہلا شخص ہے جس نے محدث کبیر ثقہ عالم زاہد الکوثری کے ردّ میں یہ الزامی جواب دیا۔ اس لئے تدلیس کے الزام کی حیثیت بالکل مردود اور محدثین کے منہج کے خلاف ہے۔

دوم یہ کہ آج تک کسی محدث نے یہ تصریح بھی نہیں کی کہ یہ حدیث سفیان ثوری نے عاصم بن کلیب سے نہیں سُنی۔ اگر زبیر علی زئی غیر مقلد دوسری احادیث کے متعلق محدثین کرام سے یہ نقل کر سکتے ہیں کہ فلاں محدث یا راوی نے یہ حدیث نہیں سنی یا فلاں روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے متعلق محدثین کی یہ خاموشی کیسی؟

سوم یہ ہے کہ جمہور علماء کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث عاصم بن کلیب سے سفیان ثوری نے سُنی ہے۔ ان میں درج ذیل محدثین کرام شامل ہیں۔

(i) امام بخاری علیہ الرحمۃ — جزء رفع یدین: ۳۲

(ii) یحییٰ بن آدم علیہ الرحمہ۔ کتاب العلل: ۳۷۸

(iii) امام احمد علیہ الرحمۃ کتاب العلل: ۳۷۸

(iv) امام ابو حاتم علل الحدیث: ۲۵۸

(v) امام دار قطنی العلل الوردو: ۱۷۳/۵

(vi) ابن قیم تہذیب السنن: ۳۶۸/۱

(vii) ابن قطان بیان الوھم: ۳۶۸/۳

یہاں میں وضاحت کردوں کہ محدثین کرام نے واضح تصریح کی ہے کہ سفیان ثوری نے یہ روایت عاصم بن کلیب سے سنی ہے مگر "ثم لا یعود" کی اضافت میں سفیان ثوری سے وہم ہوا، اور باقی حدیث صحیح ہے۔ غرض یہ کے محدثین کرام نے اس حدیث میں سفیان ثوری پر وہم کا الزام عائد کیا ہے

میری قارئین کرام کو یہ دعوتِ فکر ہے کہ اگر سفیان ثوری نے اس حدیث میں تدلیس کی ہوتو پھر انہوں نے یہ حدیث عاصم بن کلیب سے کیسے سنی؟ اور اگر جس طرح محدثین کرام نے وضاحت کی ہے کہ یہ روایت سفیان ثوری نے عاصم بن کلیب سے سنی ہے تو پھر اس میں تدلیس کس طرح ہو سکتی ہے؟ کیونکہ تدلیس ہوتی ہی وہ ہے جو روایت مذکورہ نہ سنی ہو۔ اور پھر مقام تحقیق یہ ہے کہ اگر یہ حدیث سنی ہی نہیں تو وہم کیسا؟ اگر حدیث سنی ہوتی تو پھر وہم کا الزام صحیح وارد ہو سکتا ہے۔ لہذا کچھ چیزیں واضح ہوتی ہیں۔

(i) اگر حدیث سنی ہے تو تدلیس کیسے ہوئی اور اگر تدلیس ہوئی ہے تو حدیث کیسے سنی؟

(ii) اگر حدیث سنی ہی نہیں تو وہم کا الزام کیسا؟ اگر وہم ہے تو پھر سننا ثابت ہوتا ہے۔

(iii) اور اگر سننا ثابت ہے تو پھر تدلیس نہیں ہو سکتی لہذا تدلیس کا الزام باطل اور مردود ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام اب اس مسئلہ کو سمجھنے لگ گئے ہوں گے حیرانگی یہ ہے کہ یہ باتیں

علماء غیر مقلدین کو نظر کیوں نہیں آتیں؟ وجہ صرف اور صرف احناف کا بغض ہے۔

اعتراض: میرے اس نکتہ (جو ابھی سمجھا چکا ہوں) غیر مقلد زبیر علی زئی نے مناظرانہ اور الزامی جواب کچھ یوں دینے کی کوشش کی:

''جب سفیان ثوری کو اپنے اُستاذ عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں وہم ہوسکتا ہے تو پھر دوسرے مجہول یا مجروح راوی سے روایت کرنے میں وہم کیوں نہیں ہوسکتا۔ اگر ثوری نے عاصم بن کلیب سے یہ روایت مذکورہ سنی تھی تو پھر سماع کی تصریح کہاں ہے؟'' (انوار الطریق صفحہ ۷۸۔۷۹)

جواب: اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سفیان ثوری پہ اس حدیث میں وہم کا الزام ہے اور وہ بھی صرف ثم لا یعود کے الفاظ پر نہ کہ باقی ساری روایت پر۔ میں نے اپنی دونوں کتابوں میں لکھ دیا تھا کہ ثم یعود کے الفاظ کے بغیر بھی احناف کا موقف ثابت ہوتا ہے۔ اور میں نے ان اقوال کا تحقیقی جواب دے دیا ہے۔ لہٰذا تفصیل کے لئے میری دونوں کتابوں کی طرف مراجعت کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن دوسرے مجہول یا مجروح راویوں کی روایت میں اگر وہم دلائل سے ثابت ہوجائے تو ہم اس کے قائل ہونگے۔ ہم اصولوں کو ماننے والے ہیں، اور ہم اصول کے تحت ہی تحقیق کرتے ہیں۔ آپکی طرح نہیں کہ ایک دن ایک موقف اور دوسرے دن دوسرا موقف۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اس بے اصولی کو رجوع کا نام دیں۔ جناب یہ دھوکا عوام الناس کو تو دے سکتے ہیں مگر علمی میدان میں نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ حدیث کی سماع کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ حدثنا، اخبرنا یا سماع کی تصریح کرے۔ کیونکہ اگر مدلس راوی کی روایت میں سماع شیخ معلوم ہوجائے تو تدلیس کا الزام باطل اور مردود ہوجاتا ہے۔ اور عن کا اعتراض ختم ہوجاتا ہے۔

زبیر علی زئی کا عوام الناس کو مغالطہ:

قارئین کرام! زبیر علی زئی غیر مقلد کا انوار الطریق صفحہ ۷۸۔۷۹ پر یہ لکھنا کہ! ''پھر سماع کی تصریح کہاں ہے؟'' ایک دھوکا اور مغالطہ ہے۔ کیونکہ زبیر علی زئی عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا مغالطے کی تحقیق حاضر خدمت ہے

زبیر علی زئی کا پہلا رخ:

غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی صاحب نے ''الحدیث'' ۷۶ صفحہ ۱۲ پر لکھا تھا! '' کہ سفیان ثوری کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں۔ کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایت بیان کرتے تھے۔ (الکفایہ صفحہ ۳۶۲) اور مزید لکھا کہ! ''امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا میں نے سفیان ثوری سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں انہوں نے حدثنی اور حدثنا کہا ہے۔ سوائے دو حدیثوں کے (کتاب العلل ۱/۲۵۷)

اس بات کا جواب راقم نے اپنی دوسری کتاب مسئلہ ترک رفع یدین...... مضامین کا جواب صفحہ ۳۶ پر لکھا کہ ''یہاں ہم عرض کر دیں کہ امام یحییٰ بن سعید کی بے شمار ایسی حدیثیں صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں جس میں وہ سفیان ثوری کی عن (یعنی معنعن) روایت بھی لیتے ہیں۔''

زبیر علی زئی کا دوسرا رخ:

میرے مندرجہ بالا اعتراض کا جواب غیر مقلد زبیر علی زئی نے انوار الطریق صفحہ ۴۶ پر کچھ یوں دیا۔

''جب یحییٰ القطان کی سفیان سے ہر روایت سماع پر محمول ہے تو پھر عن والی روایت بیان کرنا ذرہ بھی مضر نہیں اور یہ عنعنہ ثوری کی طرف سے نہیں بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان یا ان کے شاگردوں کی طرف سے ہے۔''

قارئین کرام! ملاحظہ کریں کہ جس طرح زبیر علی زئی نے اپنا رخ تبدیل کیا اور کس طرح سفیان کے عنعنہ کا دفاع کیا۔ ہم نے جب محدثین کرام سے ثابت کر دیا کہ یہ روایت

سفیان ثوری نے عاصم بن کلیب سے سُنی ہے تو ہم سے سماع کی تصریح مانگی مگر خود یحییٰ بن سعید القطان کے حوالے میں عنعن کو قابل قبول اور عن کی وجہ کسی شاگرد سے ثابت کر رہے ہیں۔

تحقیق : ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ جب محدثین کرام کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ سفیان نے یہ روایت عاصم بن کلیب سے سنی ہے تو عنعنہ مضر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عنعنہ سفیان ثوری کے کسی شاگرد یا اس کے کسی شاگرد کی طرف سے ہے۔ لہٰذا اس روایت میں عنعنہ ہونا روایت میں تدلیس ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ اس طرح اس حدیث پر الزام باطل اور مردود ہے۔ اور سفیان ثوری کی روایت میں ہم سے سماع کی تصریح مانگنا ایک دجل وفریب ہے جبکہ قارئین کرام کو مغالطہ دینے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ بلکہ میں قارئین سے پوچھتا ہوں۔ اگر سفیان ثوری کی عن والی روایت یحییٰ القطان روایت کریں اور یہ عن کا لفظ ذرہ بھی مضر نہ ہو اور یہ عنعنہ یحییٰ القطان یا ان کے شاگردوں کی طرف سے ہو تو یہ معیار اور یہ اصول ترک رفع الیدین والی حدیث میں کیوں نہیں ؟ ہم اپنا موقف کہ یہ روایت سفیان ثوری نے عاصم بن کلیب سے سنی ہے کو امام بخاری، یحییٰ بن آدم، امام احمد، امام ابوحاتم، امام دارقطنی، ابن قیم اور ابن قطان سے ثابت کریں اور غیر مقلد زبیر علی زئی یہ سوال کرے کہ سماع کی تصریح کہاں ہے؟ کیا یہ مسلکی تفاوت اور بغض احناف نہیں؟ فیصلہ میں اپنے قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ پڑھیں، سوچیں اور سمجھیں۔

اعتراض : غیر مقلد زبیر علی زئی حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کی طبقاتی تقسیم پر انوار الطریق صفحہ ۲۲ پر لکھتا ہے۔ ''اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی طبقاتی تقسیم کئی وجہ سے غلط ہے مثلاً۔

۱۔ یہ طبقاتی تقسیم جمہور محدثین کے اصول تدلیس کے خلاف ہے۔

۲۔ یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ الفکر کے اصول کے خلاف ہے۔

۳۔ یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی التلخیص الحبیر ۱۹/۳ کے خلاف ہے۔

۴۔ اہل حدیث (مراد غیر مقلدین) حنفی بریلوی اور دیوبندی سب اس طبقاتی تقسیم پر متفق نہیں ہیں۔

جواب: یہاں عرض یہ ہے کہ مندرجہ بالا اعتراض غلط ہیں کیونکہ:

۱۔ حافظ ابن حجر کی یہ تقسیم جمہور محدثین کرام کے اصول کے خلاف نہیں بلکہ یہ تو ایک تخصیص اور استثناء ہے۔ زبیر علی زئی خود تو تخصیص اور استثناء کے قائل ہیں۔ مگر حافظ ابن حجر کی تخصیص کرنے پر اعتراض ہے۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو کسی ایک کتاب کا نام لکھیں جو مستقلاً حافظ ابن حجر کے طبقاتی تقسیم کے رد پر ہو۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد اور دیگر متاخرین نے اپنی کتابوں کی بنیاد حافظ ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین پر ہی رکھی ہے۔ باقی تو رہنے دیں زبیر علی زئی نے اپنی کتاب ''الفتح المبین'' کی بنیاد حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی کتاب طبقات المدلسین پر رکھی ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ مدلسین کے طبقات اور اجناس کی تقسیم حافظ ابن حجر کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی کی ہے۔

۲: یہ تقسیم حافظ ابن حجر کی الشرح النخبۃ الفکر کے اصول کے خلاف بھی نہیں بلکہ تخصیص ہے جس کے آپ خود دعویدار ہیں۔ لہٰذا اعتراض مردود ہے۔

۳: مزید یہ کہ یہ تقسیم حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی التلخیص الحبیر کے بھی خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں مسئلہ تدلیس التسویۃ کا ہے، نہ کہ طبقات کی بحث، کسی ایک قول کو لے کر رد تو ثابت نہیں کر سکتے، لہٰذا آپ کا یہ اعتراض بھی مردود ہے۔

۴: اہم بات یہ کہ حافظ ابن حجر کے طبقاتی تقسیم کے قائل مندرجہ ذیل علماء غیر مقلدین ہیں۔

(i) مولانا مبارک پوری (تحفۃ الاحوذی)

(ii) علامہ بدیع الدین شاہ راشدی (جزء منظوم: ۲۲ قلمی)

(iii) حافظ یحییٰ گوندلوی (الاعتصام جون ۱۹۹۱)

(iv) حافظ عبداللہ روپڑی (فتاوی الحدیث ۶۸/۱ م)

(v) علامہ محب اللہ شاہ راشدی

(vi) علامہ قاسم راشدی

(vii) حافظ عبدالرؤف غیر مقلد (رسالہ الاعتصام ۱۹۹۰ دسمبر ص ۱۶۰)

(viii) غیر مقلد علامہ محمد خبیب (الاعتصام اگست ۲۰۰۸ء ص ۱۶)

(ix) ارشادالحق الاثری غیر مقلد (توضیح الکلام ۵۹/۱ ے)

(x) حافظ ثناء اللہ زاھدی

(xi) مولانا طاہر رفیق

(xii) حافظ عبدالمنان نورپوری

(xiii) شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ۔

یہاں پر عرض یہ ہے کہ جدید قسم کے علماء غیر مقلدین مناظروں میں یا جوابی کتابوں میں غیر مقلد زبیر علی زئی کے مقلد ہیں، ان کی اپنی کوئی تحقیق نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے جدید غیر مقلدین کا حوالہ دینا غلط اور خلاف تحقیق ہے۔

علاوہ ازیں علماء اہلسنت بریلوی اور دیوبندی نے جو تدلیس کا الزام وارد کیا ہے وہ سب کے سب الزامی جواب ہیں۔ زبیر علی زئی غیر مقلد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ الزامی جواب مناظروں میں تو کام آسکتے ہیں مگر تحقیقی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور ان علماء احناف نے مکمل طور پر الزامی جواب بھی نہیں بلکہ یہ اصول لکھا ہے کہ آپ خود تو مدلسین کی روایت پر اعتراض کریں مگر خود مدلس راوی سے استدلال بھی کریں۔ علماء اہلسنت کے ایسے تمام اقوال کا جواب میں نے اپنی دوسری کتاب ترک رفع یدین.......... مضامین کا جواب صفحہ ۶۰ تا صفحہ ۶۸ پر دے دیے ہیں۔ لہٰذا تفصیل وہاں ملاحظہ کریں۔

مزید برآں زبیر علی زئی غیر مقلد نے جو ۴۰ حوالہ جات پیش کیے ان میں مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ایک بڑا ہی لطیف اصول سامنے آیا ہے۔

حوالہ نمبر ۲ عبدالرحمٰن مھدی۔ حوالہ نمبر ۳ امام احمد حنبل۔ حوالہ نمبر ۴ امام اسحاق بن راھویہ۔ حوالہ نمبر ۵۔ امام المزنی۔ حوالہ نمبر ۶۔ امام بیہقی حوالہ نمبر ۲۰۔ حافظ ابن کثیر حوالہ نمبر ۲۴۔ امام طیبی علیہ الرحمہ۔ حوالہ نمبر ۲۶۔ عمر بن ارسلان البلقینی حوالہ نمبر ۲۷۔ امام الانباسی

ان حوالہ جات سے زبیر علی زئی غیر مقلد نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اصول اور کتاب پر تعریف، مؤید اور سکوت سے دلیل پکڑی ہے۔ مطلب یہ کہ ان حوالہ جات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کتاب کی تعریف کرنا اور سکوت کرنا اُس دلیل پر رضامندی اور تصحیح کی علامت ہے۔ لہذا اس لطیف نکتہ کو ذہن نشین کرلیں۔ ان شاء اللہ مزید آگے چل کر یہ نکتہ بڑا کام آئے گا اور ہم اس نکتہ کو غیر مقلد زبیر علی زئی کے سامنے پیش بھی کریں گے۔ زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ فرض کہ وہ کسی ایک محدث کا حوالہ پیش کریں جسمیں اس حدیث میں سفیان ثوری کی تدلیس کا اعتراض کیا ہو۔ وگرنہ ایسے فضول اعتراض کرنا مردود ہے۔ اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ غیر مقلد زبیر علی زئی کے اس حدیث ترک رفع یدین پر تدلیس کا الزام اصول کی روشنی میں باطل اور مردود ہے۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

تحریر: صادق علی زاہد☆

قادیانیت انگریزی استعمار کی ضرورت اور پیداوار

جب انگریزی استعمار اپنے تمام تر مظالم اور جبر واستبداد کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کے دل سے جذبہ جہاد ختم نہ کر سکا تو 1869ء کے اوائل میں برٹش گورنمنٹ نے ممبران برٹش پارلیمنٹ، برطانوی اخبارات کے ایڈیٹرز اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد سر ولیم میور کی قیادت میں ہندوستان بھیجا تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کو رام کرنے کا کوئی طریقہ دریافت کیا جاسکے۔ برطانوی وفد ایک سال تک بر صغیر میں رہ کر مختلف زاویوں سے تحقیقات کرتا رہا۔ 1870ء میں وائٹ ہال لندن میں اس وفد کا اجلاس ہوا جس میں اس وفد نے برطانوی راج کی ہندوستان میں آمد (The arrival of the british empire in India) کے عنوان سے دو رپورٹس پیش کیں۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے سوا تمام مذاہب کو کفریہ مذاہب سمجھتے ہوئے ان مذاہب کے پیروکاروں کے خلاف مسلح جنگ کو ''جہاد'' قرار دیکر، جہاد کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کے مذہبی عقیدہ کے مطابق انگریزی حکومت، کافر حکومت ہے اس لئے مسلمان اس حکومت کے خلاف بغاوت اور جہاد میں مصروف رہتے ہیں جو برطانوی حکومت کے لئے مشکلات کا سبب ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی اور مذہبی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو انگریزی حکومت کے جواز اور اس کے خلاف بغاوت وجہاد کے حرام ہونے کی بابت الہامی سند پیش کردے تو ایسے شخص کو سرکاری سرپرستی میں

☆)0301،0300-4529446

پروان چڑھا کر اس سے برطانوی مفادات کے لیے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔ان رپورٹس کو مدنظر رکھ کر برطانوی حکومت کے حکم پر ایسے موزوں شخص کی تلاش شروع ہوئی جو برطانوی حکومت کے استحکام کے لیے سند مہیا کر سکے اور جس کے نزدیک تاج برطانیہ کا ہر حکم وحی کے مترادف ہو۔ایسے شخص کی تلاش ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ، پارکنسن (PARINKSON) کے ذمہ لگائی گئی۔جس نے برطانوی ہند کی سینٹرل انٹیلی جنس کی مدد سے کافی چھان بین کے بعد چار اشخاص کو اپنے دفتر طلب کر کے انٹرویو کیے۔ بالآخر ان میں سے مرزا غلام احمد قادیانی کو برطانوی مفادات کے تحفظ کے لیے نامزد کر لیا گیا اور اس کی سرکاری سرپرستی شروع کر دی گئی۔ مرزا قادیانی کیوں برطانوی مفادات کے تحفظ کے لیے موزوں ترین شخص تھا؟ اس لئے کہ اس کا خاندان شروع سے ہی برطانوی سامراج کی خدمت اور کاسہ لیسی میں مشہور تھا۔اسکا اعتراف خود مرزا قادیانی نے اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے بطور نمونہ چند مثالیں لاحظہ فرمائیں۔

☆......گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ خاندان:

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا، جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور 1857ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی۔یعنی پچاس سوار اور گھوڑے عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔ان خدمات کی وجہ سے چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔پھر میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا۔اور جب تموں کے گذر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ

سرکار انگریز کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔ (کتاب البریہ ص 5,4,3 مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 ص 6,5,4 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

☆...... پچاس برس سے وفادار جان نثار خاندان:

سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں، اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکاری انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوئم ص 21 از مرزا غلام احمد قادیانی)

☆...... سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں پچاس الماریاں:

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔ (تریاق القلوب ص 28,27 مندرجہ ذیل روحانی خزائن جلد 15 ص 156,155 از مرزا غلام احمد قادیانی)

☆...... مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے:

میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے، ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوئم ص 19 از مرزا غلام احمد قادیانی)

☆......برطانوی گورنمنٹ کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے:

بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں۔ کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے، یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے، اس سے جہاد کیسا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ (اشتہارات القرآن ص 84۔ مندرجہ روحانی خزائن جلد 6 ص 380 از مرزا قادیانی)

☆......جیسی خدا تعالیٰ کی اطاعت ویسی اس سلطنت کی اطاعت:

سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں، دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔ (اشتہارات القرآن ص 84 مندرجہ روحانی خزائن جلد ص 380 از مرزا قادیانی)

☆......انگریزی سلطنت ایک رحمت و برکت ہے:

سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کیے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے سپر کی قدر کرو۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوئم ص 584 از مرزا غلام احمد قادیانی)

☆......دنیا میں آنے کا مقصد گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی:

ہم دنیا میں فروتنی کے ساتھ زندگی بسر کرنے آئے اور بنی نوع کی ہمدردی اور اس گورنمنٹ کی خیر خواہی جس کے ہم ماتحت ہیں یعنی گورنمنٹ برطانیہ۔ ہمارا اصول ہے۔ ہم ہرگز کسی مفسدہ اور نقض امن کو پسند نہیں کرتے اور اپنی گورنمنٹ انگریزی کی ہر ایک وقت میں مدد کرنے کے لیے تیار ہیں اور خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں جس نے ایسی گونمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا ہے۔ (کتاب البریہ ص 17 اشتہار مورخہ 20 ستمبر 1897ء مندرجہ روحانی خزائن جلد 13 ص 18 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ان حوالہ جات کی روشنی میں قادیانیت کی وجہ تخلیق کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مرزا قادیانی استعماری سیاست کا خود کاشتہ پودا تھا۔ انگریز نے اپنے نظریہ ضرورت کے تحت قادیانی تحریک کو پروان چڑھایا۔ جناب مرتضیٰ احمد خاں میکش بھی رقمطراز ہیں۔ دین مرزا برطانیہ کی استعماری سیاست کا ایک خود کاشتہ پودا ہے یعنی ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جو انگریزوں کے مقبوضہ ہندوستان میں ایک ایسی مذہبی جماعت پیدا کرنے کے لیے شروع کی گئی جو سرکار برطانیہ کی وفاداری کو اپنا جزو ایمان سمجھے، غیر اسلامی حکومت یا نامسلم حکمرانوں کے استیلا کو جائز قرار دے اور ایک ایسے ملک کو شرعی اصطلاح میں دارالحرب سمجھنے کے عقیدہ کا بطلان کرے جس پر کوئی غیر مسلم قوم اپنی طاقت وقوت کے بل پر قابض ہو گئی۔ انگریز حکمرانوں کی قہاریت اور جباریت کو مسلمان از روئے عقیدہ دینی اپنے حق میں اللہ کا بھیجا ہوا عذاب سمجھتے تھے اور ان کی رضا کارانہ اطاعت کو گناہ متصور کرتے تھے۔ انگریز حکمران مسلمانوں کے اس جذبے اور عقیدے سے پوری طرح آگاہ تھے۔ لہذا انہوں نے اس سرزمین میں ایک ایسا پیغمبر کھڑا کر دیا جو انگریزوں کو اولی الامر منکم کے تحت میں لا کر ان کی اطاعت کو مذہباً فرض قرار دینے لگا اور ان کے پاس ہندوستان کو دارالحرب سمجھنے والے مسلمانوں کی مخبری کرنے لگا جس طرح باغبان اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت و آبیاری میں بڑے اہتمام سے کام لیتا ہے، اسی طرح سرکار انگریزی نے دین

مرزائیت کو فروغ دینے کے لیے مرزائی جماعت کو پرورش کرنا اپنی سیاسی مصلحتوں کے لیے ضروری سمجھا۔ اور اس دین کے پیروؤں سے مخبری، جاسوسی اور حکومت کے ساتھ جذبہ وفاداری کی نشرواشاعت کا کام لیتی رہی۔ **1919**ء میں جب مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت اسلامیہ ترکی کی شکست سے متاثر ہوکر مسلمانوں کو انگریزوں کی قابو چیانہ گرفت سے چھڑانے اور ارض مقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بچانے کے لیے تحریک احیائے خلافت کے نام سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی مہم شروع کی اور عام مسلمان مولانا محمد علی اور دیگر زعمائے اسلام کی دعوت ونفیر پر کان دھر کر انگریزی حکومت سے ترک موالات کرنے پر آمادہ ہوگئے، تو مرزائی جماعت نے اس دور کے وائسرائے کے سامنے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے سرکار انگریزی کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے اس جہاد آزادی کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کے خادم موجود ہیں، جو سرکار انگریزی کی وفاداری کو مذہبی عقیدہ کے رو سے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ (پاکستان میں مرزائیت صفحہ **25** تا **27** از مرتضیٰ احمد خان میکش)

☆☆☆☆ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

مفتی سید صابر حسین (کراچی) ☆

اسلام اور رسک مینجمنٹ (Risk Management)

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور فطرتِ انسانی کا تقاضا بھی کہ انسان ماضی کے پیش آمدہ خطرات و مسائل کی روشنی میں خود کو حال کے وقوع پذیر اور مستقبل کے ممکنہ خطرات و مسائل سے بچانے کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کرے اور ان خطرات کو یا تو مکمل طور پر ختم کرلے یا پھر ممکنہ حد تک ان میں کمی کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ تاریخ انسانی کے بنظرِ غائر مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں نے اپنی اپنی بساط اور علم و آگہی کی بنیاد پر رسک مینجمنٹ (Risk Management) کو اپنایا اور خود کو خطرات سے بچانے کی ہر ممکن کوششیں کی۔ جسم کو موسم و ماحول کے مضر اثرات سے بچانے کی خاطر مختلف قسم کے لباس اور رہائش کا انتظام کیا اور ایسی خوراک کا انتخاب کیا، جن کے استعمال سے وہ خود کو موسمی بیماریوں سے بچا سکیں۔

اس حوالے سے اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل یعنی زمانۂ جاہلیت کے معاملات کو دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اہلِ عرب میں بھی خطرات (Risks) کو کم یا کسی حد تک ختم کرنے کے لئے مختلف نوعیت کے طریقۂ کار مروج و معروف تھے مثلاً عاقلہ، ضمان خطر الطریق اور قبیلۂ بنو اشعر کا عمل وغیرہ۔ مذکورہ صورتوں میں سے بعض کو زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں من وعن (As it is) جاری رکھا گیا اور بعض کو کچھ ضروری ترمیم (Alteration) اور اصلاح (Rectification) کے ساتھ قبول کرلیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی احادیثِ مبارکہ میں تحسین بھی فرمائی۔ قارئین کرام کی معلومات کے لئے عاقلہ، ضمان خطر الطریق اور قبیلۂ بنو اشعر کے عمل کی اختصار

☆) 0321-2880864

کے ساتھ وضاحت ضبطِ تحریر میں لائی جا رہی ہے۔ ان میں سے عاقلہ کے تحت یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص کسی دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو غلطی سے قتل کر دیتا، تو مقتول کے ورثاء کو دیت (جو سو اُونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار یا ان کے مساوی قیمت ہے) دی جاتی تھی، جو قاتل اکیلا ادا نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کے قبیلے کے افراد مجموعی طور پر اس ذمہ داری سے عہدہ برآں ہوتے تھے۔ اس طریقہ کار سے ایک شخص کا رسک پورے قبیلے میں تقسیم ہو جاتا، جس کی وجہ سے ہر شخص اسے بآسانی برداشت کر لیتا تھا کیونکہ کسی اکیلے شخص کے لئے سو اُونٹ یا اُن کی قیمت کا ادا کرنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ خطرات (Risks) کو کم کرنے کا یہ طریقہ کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی جاری رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے پسند بھی فرمایا بلکہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی حیات طیبہ میں اپنے قبیلے کی طرف سے عاقلہ کے نظام کے تحت دیت ادا کی تھی۔ جبکہ ضمان خطر الطریق بھی خطرات کو کم کرنے اور ایک دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا ایک طریقہ تھا، جس کے تحت عام طور پر تاجر حضرات کو اپنے سامان تجارت محفوظ طریقے سے کسی راستے سے لیجانے کی ضمانت دی جاتی تھی کہ اگر راستے میں کسی قسم کا مالی نقصان ہوا، تو ضامن (Guarantor) اُس نقصان کا ازالہ کرے گا۔ خطرات کو کم کرنے کا یہ طریقہ اسلام میں جائز رکھا گیا۔ عصرِ حاضر میں ٹریولنگ انشورنس (Travelling Insurance) ضمان خطر الطریق کی مثال ہے، اگرچہ اس کی عملی صورت شرعی اعتبار سے درست نہیں۔ جہاں تک قبیلۂ بنی اشعر کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے روایتوں میں آتا ہے کہ قحط سالی خصوصاً جہاد کے موقع پر اس قبیلے کا ہر شخص اپنا سامان ایک چادر میں ڈال دیتا تھا اور بعد میں اُن تمام سامان کو خلط ملط (Mix) کر کے ایک مخصوص برتن سے قبیلے کے تمام افراد میں برابری کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنو اشعر کے اِس عمل کو پسند فرمایا اور ارشاد

فرمایا: انا منھم وھم منی ترجمہ: ''میں اُن میں سے ہوں اور وہ مجھ سے ہیں''۔ لہٰذا اس طرح کے عمل سے وہ لوگ بھوک کی متوقع خطرے کو دور کر لیا کرتے تھے۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں بھی رسک مینجمنٹ کے حوالے سے کئی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً جان بچانے اور انتہائی ناگزیر حالات میں دل میں ایمان پر قائم رہتے ہوئے وقتی طور پر کلمۂ کفر کہنے کی اجازت رسک مینجمنٹ کی ایک نظیر ہے اور اسے فقہاءِ کرام (Islamic Jurist/Experts of Islami Law) نے حالت اکراہ (Constraint) سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ☆ ترجمہ: ''جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا (اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے) مگر جس پر جبر (اکراہ) کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے (اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے)۔ (سورۂ نحل، آیت نمبر ۱۰۶)۔'' یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ مشرکین نے کلمۂ کفر بولنے پر انھیں مجبور کیا اور انھوں نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے دل کو کس حال پر پایا: عرض کی: میرا دل ایمان پر بالکل مطمئن تھا ارشاد فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم کو ایسا ہی کرنا چاہئے یعنی دل ایمان پر مطمئن رہنا چاہئے۔ اسی طرح میدانِ جنگ میں اپنی بچاؤ کے لئے عام حالات سے ہٹ کر نمازِ خوف ادا کرنے کا حکم بھی رسک مینجمنٹ کی ایک بہترین مثال ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ☆ ترجمہ: ''اور (اے محبوب) جب آپ ان میں ہوں اور (خوف کے وقت) انہیں نماز پڑھائیں تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیئے رہیں، پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور آئے دوسرا گروہ، جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تو انہیں چاہیئے کہ وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ (بھی) اپنی حفاظت کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔ کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں اور تم پر کچھ مضائقہ نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو (اس بات میں) کہ اپنے ہتھیار (اتار کر) رکھ دو اور اپنی حفاظت کا سامان لئے رہو۔ بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے ذلت کا عذاب''۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۰۲، ترجمہ ماخوذ از البیان القرآن الحکیم)۔'' مذکورہ آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو صلوٰۃ الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جارہا ہے۔ اور صلوٰۃ الخوف اس وقت ادا کی جاتی ہے جب مسلمان فوج اور کافروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں برسرِ پیکار ہوں اور ایک لمحے کی غفلت مسلمانوں کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی ہو۔ صلوٰۃ الخوف کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً فوج دو گروہ میں تقسیم ہو جائیں، جن میں سے ایک گروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا رہے تاکہ انہیں حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک گروہ اپنے امام کے پیچھے نماز ادا کرے اور جب یہ گروہ نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو کر انہیں کو نماز کا موقع دے اور اس طرح نماز کی تکمیل کرے۔ صلوٰۃ الخوف کے اس طریقے سے بھی اسلام میں رسک مینجمنٹ پر روشنی پڑتی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کے واقعہ میں بھی رسک مینجمنٹ کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے مستقبل میں پیش آمدہ رسک (خطرات) کو کور (Cover) کرنے کے لئے اناج ذخیرہ کرنے کی تدبیر بتائی۔ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ☆ ترجمہ: ''فرمایا (یوسف نے) تم حسبِ عادت سات برس تک کھیتی کروگے، تو جو کھیتی تم کاٹو اسے اس کی بالی میں چھوڑ دو مگر تھوڑا سا جتنا تم کھاؤ۔ (سورۃ یوسف، آیت نمبر ۴۷، ترجمہ ماخوذ از البیان القرآن الحکیم)۔'' سورۃ یوسف کی اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر کا علم عطا فرمایا تھا لہذا انہوں نے جان لیا کہ قوم آئندہ آنے والے سالوں میں ایک خطرے سے دوچار ہوگی لہذا نہ صرف انہوں نے قوم کو خطرے سے آگاہ فرمایا بلکہ انہیں اس خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی کہ قوم سات سال تک متواتر کاشتکاری کرے اور جو غلہ تیار ہو اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی ذخیرہ کرلیں تا کہ اُن میں غلہ محفوظ رہے اور جب قحط سالی پڑے تو وہ ذخیرہ شدہ غلے کو استعمال کرسکیں۔ اسی طرح سورۂ کہف میں مذکور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے کشتی والے واقعہ میں بھی رسک مینجمنٹ کا تصور موجود ہے، یعنی اس امکانی خطرے کے تدارک کے لئے کہ بادشاہ اچھی کشتی کو غصب کرلیتا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کو عیب دار بنادیا۔

بعض ماہرین رسک مینجمنٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت کو رسک مینجمنٹ کی بہترین عملی مثال قرار دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس کا جب کفار نے حصار کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر اپنی سبز چادر مبارک کے ساتھ لٹا دیا تا کہ کفار کی توجہ اس بستر پر رہے اور آپ بڑی آسانی کے ساتھ مکان مبارک سے نکل سکیں لہذا ایسا ہی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ

(بقیہ صفحہ نمبر 37 پر)

حافظ مفتی سردار علی خان☆

مسائل شرعیہ اور اُنکا حل

سوال نمبر 1: اللہ میاں کہنا کیسا ہے؟ السائل: حاجی اسد علی (پوڑ میانہ اٹک)

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات بہت ارفع و اعلیٰ اور برتر و بالا ہے۔ کوئی شئ اسکی مثل نہیں ہے۔ اسمائے الٰہی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) "تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں"۔ (کنز الایمان) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۱۰۔ نیز فرمایا: (ترجمہ) "اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انھیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے"۔ (کنز الایمان) سورہ الاعراف آیت ۱۸۰۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ میں ہے: (ترجمہ) حسنیٰ ہونے کا معنی ہے کہ تمام اسمائے الٰہی تقدیس، تعظیم، تمجید (بزرگی) اور صفات جلال و کمال پر مشتمل ہیں"۔ (تفسیر جلالین ص ۲۳۹)۔ "میاں" کے معانی فیروز اللغات میں یہ لکھے ہیں: آقا، والی، وارث، خداوند، مالک، سرکار، حضور، حاکم، سردار، (۲) صاحبزادہ، بیٹا۔ (۳) خاوند، شوہر، خصم۔ (۴) جناب، جناب عالی۔ (۵) یار، دوست، بھائی۔ (۶) استاد۔ (۷) شہزادہ، صاحب عالم، امیر زادہ، (فیروز اللغات ص ۱۳۹۰ م ی)۔ ان میں کئی معانی خدا کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ جبکہ تفسیر مظہری عربی ص ۴۳۸/۳ مطبوعہ کوئٹہ میں بھی ہے کہ اسمائے الٰہی تعظیم پر مشتمل ہوں۔ امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں! "سوال میں اسم جلالت (اسم اللہ) کے ساتھ لفظ میاں مکتوب ہے یہ ممنوع و معیوب ہے۔ زبان اردو میں

☆) شیخ الحدیث و مفتی جامعہ رضویہ انوار العلوم H-24 واہ کینٹ، 0300-5493829

''میاں'' کے تین معنی ہیں جن میں دو اس پر محال ہیں اور شرع سے ورود نہیں لہذا اسکا اطلاق محمود نہیں''۔ (فتاوی رضویہ ص ۲۹ جلد ششم مطبوعہ کراچی)۔ لہذا اس طرح کہنے لکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ تعالی اعلم۔

سوال نمبر 2: نماز شروع کرنے سے پہلے اگر انسان موبائل بند کرنا بھول جائے اور دوران نماز کال آجائے تو کیا اسے حالت نماز میں ہی بٹن دبا کر بند کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو کس طرح؟۔ السائل: مسعود حبائب، (جاتلی گوجر خان)

جواب: فقہائے کرام علیہم الرحمۃ نے صراحت سے لکھا ہے کہ عمل کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لہذا اگر عمل قلیل (جسے کرتے ہوئے دیکھنے والا یہ گمان نہ کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے) سے بند کر سکتا ہے تو کر دے ورنہ نماز کو ٹوٹنے سے بچائے۔ اس بارہ میں ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اوقات نماز کا ضرور خیال رکھا جائے۔ نیز پھر بھی اگر اوقات نماز میں (کال کرنے والا) تین بار ٹون جانے کے بعد فون بند کر دے اور لمبی گھنٹی نہ دی جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ یعنی فون کرنے والا تین بار اپنے فون کی آواز سنائی دینے کے بعد فون بند کر دے۔

سوال نمبر 3: بعض لوگوں نے قرآنی آیات کو اپنے موبائل میں بطور ٹونز لگا رکھا ہے۔ جب کال آتی ہے تو آیت کی تلاوت کی آواز آتی ہے۔ جب بٹن دبایا جاتا ہے تو آیت نامکمل رہ جاتی ہے اسکے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ السائل: چودھری ریاض (واہ کینٹ)

جواب: آج کے جدید دور میں موبائل فونز پر طرح طرح کی ٹونز ہوتی ہیں۔ بندہ کے خیال میں چونکہ موبائل آدمی کی جیب میں ہوتا ہے اور کال کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کب آجائے۔ لیٹرین میں بھی آجاتی ہے۔ لہذا تلاوت نعت درود پاک یا کوئی اسلامی شعار کی ٹون نہ لگائی جائے تاکہ توہین نہ ہو۔ اسی طرح تلاوت کو درمیان سے بند کرنا بھی اس سے نفرت کا اشارہ سمجھا جا سکتا ہے یعنی توہین کا شائبہ ہو سکتا ہے لہذا ایسی ٹونز سے اجتناب ہی بہترین حل

سوال نمبر 4: مسجد میں اگر نمازی جماعت کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو کیا انہیں سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ السائل: رانا محمد شکیل (واہ کینٹ)

جواب: سلام اسلام کا شعار اور امن وسلامتی کی ایک جامع ہمہ وقتی دعا ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ سلام کے آداب ومواقع ہیں۔ مسئولہ صورت کے متعلق فتاوی عالمگیری میں ہے: (ترجمہ) سلام ملاقاتیوں کی دعا ہے اور جو لوگ مسجد میں تلاوت قرآن مجید، تسبیح (ذکر اذکار) یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ آنے والوں سے ملنے کیلئے نہیں بیٹھے ہوتے اس واسطے یہ سلام کرنے کا وقت (موقع) نہیں ہے لہذا انھیں (بیٹھے ہوؤں کو) سلام نہ کیا جائے اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر آنے والے نے بیٹھے ہوئے نمازیوں کو سلام کیا تو انہیں اجازت ہے کہ سلام کا جواب نہ دیں۔ یوں ہی منیہ میں لکھا ہے''۔ (فتاوی عالمگیری ص ۳۲۵/۵ مطبوعہ کوئٹہ ۱۹۸۶ء) یعنی آنے والے نے بے موقعہ محل کام کیا ہے لہذا جواب نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم واحکم بالصواب